نومبر 2004ء رمضان ۱۴۲۵ھ

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

6

مکتبة الحدیث

حضرو، اٹک : پاکستان

احسن الحدیث

نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

حافظ ندیم ظہیر

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾

اے نبی! ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں. یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے. بے شک اللہ تعالیٰ آگاہ ہے جو وہ کر رہے ہیں. (النور: ۳۰)

فقه القرآن :

☆ صاحب ایمان لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ایمان لوگوں کی بے شمار صفات میں سے دو بنیادی صفات کا ذکر کیا ہے. ایک نگاہوں کو نیچا رکھنا اور دوسرا شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔

☆ نگاہوں کو نیچا رکھنا، ان کی حفاظت کرنا، اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ دل میں تمام قسم کے خیالات وتصورات اور اچھے، بُرے جذبات کا برانگیختہ ومحرک ہونا اسی کے تابع ہے۔

☆ غیر محرم خواتین کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا ممنوع ہے، اگر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً اسے پھیر لینا چاہئے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " اصرف بصرك " تو اپنی نظر کو پھیر لے (مسلم: ۲۱۵۹)

☆ نگاہوں کو نیچا رکھنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کا صحیح استعمال کرنا، اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

☆ کسی گناہ ومعصیت کے اسباب ومقدمات کا حکم وہی ہوتا ہے جو اس گناہ ومعصیت کا ہوتا ہے۔ مثلاً زنا حرام ہے تو اس کی طرف لے جانے والے تمام اسباب اور وسائل بھی حرام ہوں گے۔

☆ نظر کی حفاظت کے بعد صاحبِ ایمان لوگوں کی دوسری بنیادی صفت وخوبی شرم گاہ کی حفاظت ہے۔ سیدنا سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرم گاہ) کی ضمانت دے دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

☆ نگاہوں کا نیچا رکھنا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنا دلوں کی پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کے افعال واعمال سے آگاہ باخبر ہے، حتی کہ وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المؤمن: ۱۹)

اضواء المصابیح:۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار سب سے زیادہ

(۱) **وعن أنس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :لا يؤمن أحدكم حتى أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين ، متفق عليه**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی اس وقت تک (پورا) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والد (ووالدہ) اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔

(البخاری:۱۵ مسلم:۴۴/۷۰ ومصابیح:۵)

فقه الحديث :

۱: یہاں "لا یؤ من" میں نفی کمال مراد ہے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے، مثلاً بعض غلط کار اور ظالم آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: "فلان لیس بإ نسان" فلاں تو انسان (ہی) نہیں ہے۔ (دیکھئے مرعاۃ المصابیح ۱/ ۴۹)

تنبیہ: لا اگر اسم نکرہ پر ہو اور اسے آخر میں نصب (یعنی زبر) دے تو یہ لا نفی جنس ہوتا ہے دیکھئے قطر الندی وبل الصدی (ص ۲۲۹) والکافیۃ فی النحو (ص ۱۱۵، المنصوب بلا التی لنفی الجنس) مثلاً حدیث: **لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب** (البخاری:۷۵۶) میں لا نفی جنس ہے، لا جب نفی جنس ہو تو پوری جنس کی نفی مراد ہوتی ہے الا یہ کہ صحیح دلیل سے تخصیص واستثناء ثابت ہو جائے۔

۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا رُکن ایمان ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے کی جائے، تب ہی ایمان مکمل ہوسکتا ہے جیسا کہ "**الآن يا عمر**" (البخاری:۶۶۳۲) وغیرہ دلائل سے ثابت ہے۔

۳: والد، والدہ اور اولاد سے انسان کی محبت عام طور پر سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام رشتہ داروں، دوستوں اور پیاروں سے زیادہ محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنی چاہئے۔

۴: انس بن مالک رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ نے نبی ﷺ کی خدمت دس سال کی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی، آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۲۸۶ حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں ۱۶۸ بخاری و مسلم میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ: "**اللهم أكثر ماله وولده وبارك له فيه**" اے اللہ اس کا مال اور اولاد زیادہ کر اور ان میں اسے برکت دے۔ (مسلم:۲۴۸۱ والبخاری:۶۳۷۸، ۶۳۷۹)

یہ دعا من وعن پوری ہوئی۔ آپ کے پوتے پوتیاں سو کے قریب تھے۔ رضی اللہ عنہ

كلمة الحديث

عطاءاللہ سلفی

خلیفہ ھارون الرشید کا ایمان افروز واقعہ

امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

میں نے علی بن المدینی (رحمہ اللہ) کو فرماتے سنا کہ: محمد بن خازم (ابومعاویہ الضریر) نے فرمایا: میں امیر المؤمنین ھارون (الرشید) کے پاس (سلیمان بن مہرن) الاعمش کی ابوصالح (عن ابی ہریرہ عن رسول اللہ ﷺ کی سند) سے بیان کردہ حدیثیں پڑھ رہا تھا، میں جب کہتا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو امیر المومنین کہتے: صلی اللہ علی سیدی ومولاي حتی کہ میں نے آدم وموسیٰ (علیہما السلام) کی ملاقات والی حدیث بیان کی (جس میں تقدیر کا مسئلہ ثابت ہے) تو ہارون الرشید کے (کسی) چچا نے کہا: اے محمد (بن خازم) ان (آدم وموسیٰ) کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟

یہ سن کر ھارون الرشید (سخت) ناراض ہوئے اور کہا: یہ بات کس نے تجھے بتائی ہے؟ اور اس (چچا) کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، بعد میں اس (چچا) نے مجھے جیل میں بلایا اور کہا: اللہ کی قسم، مجھے کسی نے یہ بتایا نہیں ہے، ویسے ہی میری زبان سے یہ کلمات نکل گئے تھے۔ میں نے واپس جا کر امیر المؤمنین (ھارون الرشید) کو بتایا کہ اس نے خود ہی (حماقت سے) یہ کلمات کہہ دیئے تھے، کسی نے اسے بتایا نہیں ہے۔ تو انہوں نے اس (چچا) کی رہائی کا حکم دیا اور فرمایا: میں یہ سمجھتا تھا کہ بعض ملحدین (بے دین اور زندیق لوگوں) نے یہ کلام اسے سکھایا ہے، مجھے اگر معلوم ہو جائے کہ یہ ملحدین کون ہیں تو میں انہیں قتل کر دوں، ویسے میرا یہ یقین ہے کہ (میرا رشتہ دار) قریشی زندیق نہیں ہو سکتا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ: ۲/۱۸۱، ۱۸۲ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد: ۵/۲۴۳ ت ۲۷۳۵)

معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین ھارون الرشید رحمہ اللہ کے نزدیک حدیثِ رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ملحد اور زندیق ہے، آج کل بعض کلمہ گو لوگ کتاب وسنت کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اس بات سے غافل ہیں کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب ہر انسان اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، جس نے نبی کریم ﷺ کی احادیث رد کی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"کہہ دو، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم (اس سے) منہ پھیرو گے تو (جان لو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۳۲)

وما علينا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

حدیث قسطنطنیہ اور یزید

ہفت روزہ ''الاعتصام'' ج۴۹ شمارہ ۳۱، ۳۲ (اگست ۱۹۹۷ء) میں محترم پروفیسر محمد شریف شاکر صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا ہے جس میں پروفیسر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے پہلے حملہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید بھی شامل تھا۔ اِدھر اُدھر کے اقوال نقل کرنے کے علاوہ وہ اپنے دعوی پر ایک بھی صحیح یا حسن روایت پیش نہیں کر سکے ہیں، جس میں اول جیش میں یزید کی موجودگی کی صراحت ہو۔ (۱)
سنن ابی داؤد کی ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یزید والے حملہ سے پہلے بھی قسطنطنیہ پر حملہ ہوا ہے جس میں جماعت (پورے لشکر) کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے۔ چونکہ یہ حدیث (۲) ان لوگوں کے لئے زبردست رکاوٹ ہے جو ضرور بالضرور یزید کا بخشا ہوا ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے

....

(۱) تاریخ، حدیث اور رجال سے ثابت ہے کہ مدینہ قیصر: قسطنطنیہ پر، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں کئی حملے ہوئے ہیں جبکہ صحیح بخاری کی صحیح حدیث میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ

ا۔ ان تمام حملوں میں یزید بن معاویہ شریک تھا۔

ب۔ ان تمام حملوں میں سے پہلے حملہ میں یزید شریک تھا۔

لہذا ان لوگوں کے لئے صحیح بخاری سے استدلال صحیح نہیں ہے جن کا دعوی یہ ہے کہ: قسطنطنیہ پر جو حملہ ہوا تھا اس میں یزید بن معاویہ شامل تھا۔

(۲) ابوداؤد والی روایت بالکل صحیح اور محفوظ روایت ہے۔

ابن وهب :أخبرني حيوة بن شريح عن يزيد بن أبي حبيب عن أسلم أبی عمران قال :غزونا من المدينة نريد القسطنطنية وعلى الجماعة عبدالرحمن بن خالد بن الوليد ، إلخ

اسلم ابوعمران سنن ابی داؤد، ترمذی ونسائی کے راوی اور ثقہ تھے (تقریب التھذیب ص۱۳۵) یزید بن ابی حبیب صحاح ستہ کے راوی اور ''ثقة فقيه ، وكان يرسل '' تھے (ایضاً ص۱۰۷۳) وکان یرسل کی کوئی جرح نہیں ہے۔

حیوہ بن شریح صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ تھے (ایضاً ص۲۷۲ بتحقیق الشیخ ابی الاشبال حفظہ اللہ) عبداللہ بن وھب صحاح ستہ کے بنیادی راوی اور ''ثقہ حافظ عابد'' تھے (تقریب ص۵۵۶)

صحیح بخاری میں ان کی تقریباً ایک سوتیس روایات موجود ہیں۔ آپ اصول حدیث کی ایک قسم ''الرواية بالاجازة '' کے قائل تھے جو کہ ایک مستقل فقہی مؤقف ہے، اور راجح بھی یہی ہے کہ روایت بالاجازۃ جائز ہے دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح، وغیرہ

ابن سعد نے آپ پر تدلیس کا الزام لگایا ہے جو کہ کئی لحاظ سے مردود ہے۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''ابوداود کے (۳) سوا کسی کتاب میں عبدالرحمٰن کے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والی فوج کے قائد ہونے کا ذکر نہیں۔''

(الاعتصام نمبر ۳۲ ص ۱۳)

حالانکہ درج ذیل کتابوں میں بھی صحیح سند کے ساتھ اس حملہ آور فوج کا قائد عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید ہی مذکور ہے۔

۱: جامع البیان فی تفسیر القرآن، المعروف بتفسیر الطبری (ج ۲ ص ۱۱۸، ۱۱۹)

۲: تفسیر ابن ابی حاتم الرازی (ج ۱ ص ۳۳۰، ۳۳۱)

....

ا۔ اس روایت میں ابن وھب نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

ب۔ حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ ابن وھب مدلس نہیں تھے دیکھئے النکت علی ابن الصلاح ج ۲ ص ۶۳۷

ج۔ ابن وھب کی سند کی متابعت بھی موجود ہے۔ حافظ ابن عساکر نے کہا: ''أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني بقرأتي عليه قال: ثنا عبدالعزيز بن أحمد: أنبأأبو محمد بن أبي نصر: أنبأ ابو القاسم بن ابي العقب: أنا أحمد بن إبراهيم القرشي ثنا ابن عائذ: ثنا الوليد: ثنا عبد الله بن لهيعة والليث بن سعد عن يزيد عن أبى عمران التجيبى قال: غزونا القسطنطنية وعلى أهل مصر عقبة بن عامر الجهني وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد'' (تاریخ دمشق مصور ج ۹ ص ۹۲۹)

اس سند میں لیث بن سعد صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ''ثقة ثبت فقيه امام مشهور'' تھے (تقریب ص ۸۱۷)

لیث بن سعد نے ابن وھب کے استاد حیوہ بن شریح کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ والحمدللہ، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سنن ابی داود کی اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ اسی وجہ سے امام حاکم اور ذھبی نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اگر شرط سے مراد یہ لی جائے کہ اس سند کے تمام راوی بخاری و مسلم کے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ بات وہم ہے کیونکہ اسلم صحیح بخاری یا مسلم کا راوی نہیں ہے اور اگر یہ مراد لی جائے کہ اس کے راوی بخاری و مسلم کے راویوں کی طرح ثقہ ہیں، سند متصل ہے اور شاذ یا معلول نہیں تو یہ بات بالکل صحیح ہے۔ مستدرک کے مطالعہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام حاکم صحیح بخاری و مسلم کے راویوں یا ان جیسے ثقہ راویوں کی غیر معلول روایت کو صحيح على شرط الشيخين أو على أحد هما کہہ دیتے ہیں اور حافظ ذھبی ان کی موافقت کرتے ہیں امام حاکم فرماتے ہیں:'' وأنا أستعين الله على اخراج أحاديث روا تها ثقات قداحتج بمثلها الشيخان رضى الله عنهما أو أحدهما'' (المستدرک ج ۱ ص ۳) یعنی: میں اللہ کی مدد مانگتا ہوں ان احادیث کی روایت کے لئے جن کے راوی ثقہ ہیں۔ بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم نے ان راویوں جیسے رایوں سے حجت پکڑی ہے۔ اس عبارت سے بھی دوسری بات کی تائید ہوتی ہے اور یہی راجح ہے۔ لہذا ''علی شرط الشیخین'' وغیرہ عبارات سے بعض محققین عصر کا امام حاکم و ذھبی کے بارے میں پروپیگنڈا کرنا صحیح نہیں ہے۔ مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز، یاد رہے کہ اوھام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ا۔ ابوداود شریف کے علاوہ دوسری کسی کتاب میں یہ روایت با سند موجود نہیں ہے۔ یہی مطلب واضح ہے۔ مگر پرفیسر صاحب نے اس سے انکار کر دیا ہے۔

۳: احکام القرآن للجصاص (ج ا ص ۳۲۶، ۳۲۷)

۴: مستدرک الحاکم (ج ۲ ص ۸۴، ۸۵) اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اس لشکر میں مصریوں کے امیر سیدنا [۴] عقبہ بن عامر، شامیوں کے امیر سیدنا فضالہ بن عبید تھے۔ پورے لشکر کے امیر سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے۔

سنن ابی داوٗد کی ایک دوسری روایت (کتاب الجہاد، باب ۱۲۹ فی قتل الاسیر بالنبل حدیث:۲۶۸۷) سے بھی عبدالرحمٰن مذکور اور سیدنا ابوایوب کا مل کر جہاد کرنا ثابت ہوتا ہے۔

سنن ترمذی کی روایت میں ''وعلی الجماعة فضالة بن عبید'' کے جو الفاظ آ گئے ہیں، ان کا وہم ہونا کئی وجوہ سے ثابت ہے۔

ا: حیوہ بن شریح کے تمام شاگرد ''وعلی أهل الشام فضالة بن عبید'' کے الفاظ روایت کر رہے ہیں۔

....

ب۔ ابوداوٗد کی مذکورہ سند کے علاوہ دوسری کسی سند کے ساتھ یہ روایت کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ یہ تاویل انتہائی بعید ہے۔ لیکن تاریخ دمشق کی سند مذکورہ سے اس کا بطلان بھی ظاہر ہے۔ پروفیسر صاحب نے الزامی طور پر راقم الحروف کی ایک عبارت ''یہ الفاظ سنن ترمذی کے علاوہ دوسری کسی کتاب میں نہیں ہیں'' پر اعتراض کیا ہے۔ اور تفسیر قرطبی، محاسن التاویل، تفسیر الخازن، غرائب القرآن اور احکام القرآن کے حوالے پیش کئے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض کئی لحاظ سے باطل ہے۔

ا۔ میری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت سند کے ساتھ دوسری کسی کتاب میں نہیں، محترم پرفیسر صاحب اس دعوی کو توڑ نہیں سکے ہیں۔

ب۔ تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۶۱، تفسیر خازن ج ا ص ۱۳۲، احکام القرآن ج ا ص ۱۱۵ میں یہ روایت ترمذی کے حوالہ کے ساتھ موجود ہے۔ غرائب القرآن (ج ا ص ۲۳۴) میں یہی روایت بلا سند مذکور ہے۔ قاسمی کی تفسیر محاسن التاویل فی الحال میرے پاس نہیں ہے (بعد میں یہ تفسیر بھی حاصل ہوگئی ہے والحمدللہ) ان ساری کتابوں میں یہ روایت بلاسند اور بحوالہ ترمذی یا منقول از ترمذی موجود ہے لہذا یہ سارے حوالے بے کار ہیں، میرا مطلب اور ہے اور پرفیسر صاحب کی تاویل اور ہے۔ والعلم عنداللہ،

ج۔ اگر یہ ہزار کتابوں میں بھی ترمذی کے حوالے یا نقل کے ساتھ موجود ہو تو اعتراض پھر بھی قائم ہے۔ پرفیسر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ترمذی کے علاوہ کوئی دوسری سند پیش کریں۔

(۴) حیوہ بن شریح کے سارے شاگرد اہل مصر کا امیر عقبہ بن عامر کو قرار دیتے ہیں۔ اور یہی بات لیث بن سعد و ابن لھیعہ کی روایت عن یزید بن ابی حبیب میں ہے۔ کما تقدم۔ لہذا یہ بات اجماعی ہے۔

حیوہ کے دونوں شاگرد عبداللہ بن یزید المقری اور عبداللہ بن المبارک بالاتفاق یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل شام امیر فضالہ بن عبید تھے۔ یہی بات لیث بن سعد و ابن لھیعہ کی روایت میں ہے۔ پروفیسر صاحب کا ابوعبدالرحمٰن المقرئ پر جرح کرنا شعبدہ بازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ شیخ الاسلام ابن المبارک کی متابعت (السنن الکبری للنسائی ج ۶ ص ۲۹۹ ح ۱۱۰۲۹، وتفسیر النسائی ج ا ص ۲۳۸ ح ۴۹) کی وجہ سے المقری کے دفاع کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

۲: یہ الفاظ سنن ترمذی کے علاوہ دوسری کسی کتاب میں نہیں ہیں۔

۳: محققین (۵) نے ترمذی کی روایت کے وہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً تفسیر نسائی (ج۱ص۲۳۹)

کے حاشیہ پر ہے کہ ''**وقد وقع في رواية الترمذي السابقة (رقم ۲۹۷۲) وعلى الجماعة فضالة بن عبيد والصواب أنه على أهل الشام كما في باقي الروايات ، أما على الجماعة فكان (عبد الرحمن بن خالد بن الوليد)**''

جناب خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی لکھتے ہیں:

''**فظهر بهذه الروايات أن عبد الرحمن بن خالد كان أميراً على الجميع**'' (بذل المجھود ج۱۱ص۴۳۵)

یعنی ان روایات سے ظاہر ہوا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد تمام لشکر پر امیر تھے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ پر کئی حملے ہوئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ نے رومیوں کی زمین پر سولہ مرتبہ فوج کشی کی (البدایہ والنہایہ، ج۸ص۱۳۳)

ایک لشکر سردیوں میں (شواتی) اور دوسرا گرمیوں میں (صوائف) حملہ آور ہوتا (ایضاً ص۱۲۷)

ان لشکروں میں الصائفہ (اپریل ۶۲۷ء تا ستمبر ۶۷۲) کا سالار یزید تھا۔ دیکھئے خلافتِ معاویہ و یزید ص۴۳۵ و عام کتب تاریخ۔

لیث بن سعد اور ابن لھیعہ کی روایت میں بھی اہل شام کا امیر فضالہ بن عبید کو قرار دیا گیا ہے۔ الضحاک بن مخلد کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔ عبد بن حمید کی روایت میں '' **وعلى الجماعة فضالة بن عبيد** '' کے الفاظ ہیں (ترمذی) عمرو بن الضحاک اور عبیداللہ بن سعید کی روایتوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ الضحاک بن مخلد کی روایت ابن المبارک وغیرہ کی مخالفت اور اپنے شاگردوں کے اختلاف کی وجہ سے شاذ و مردود ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ قسطنطنیہ پر بہت سے حملے ہوئے ہیں۔ بعض میں امیر لشکر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے بعض میں فضالہ بن عبید اور بعض میں یزید بن معاویہ اور کوئی اور، وغیرہ، لہذا ترمذی کی روایت سے بھی پروفیسر صاحب کا یہ دعوی ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ قسطنطنیہ پر صرف اور صرف ایک ہی حملہ ہوا ہے اور اس حملہ میں یزید بھی موجود تھا۔

(۵) محققین سے مراد سید الحلیمی اور صبری الشافعی ہیں۔ یہ وہی محققین ہیں جن کا حوالہ پرفیسر محمد شریف صاحب نے دیا ہے ہفت روزہ اہلحدیث لاہور ج ۲۹، شمارہ نمبر ۱۹ص۱۰ کالم نمبر ۱ اور آگے جا کر اسی صفحہ پر کالم نمبر ۲ پر لکھتے ہیں ''حافظ زبیر صاحب نے جو تفسیر نسائی کے حاشیہ کا حوالہ دیا، یہ ایک مبہم حوالہ ہے محشی کون ہے؟ اس نے یہ الفاظ کہاں سے لئے؟'' سبحان اللہ!

بلکہ ان تمام لشکروں [٦] سے پہلے بھی قسطنطنیہ پر ایک لشکر کے حملے کا ثبوت ملتا ہے جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ حملہ ۳۲ھ مطابق ۶۵۳۔۶۵۲ء میں ہوا تھا۔ دیکھئے تاریخ طبری (ج۴ ص۳۰۴) العبر للذہبی (ج۱ ص۲۴) المنتظم لابن الجوزی (ج۵، ص۱۹ ط۱۹۹۲ء) البدایہ والنہایہ (ج۷ ص۱۵۹، ج۸ ص۱۲۶) تاریخ الاسلام للذہبی، وغیرہ۔

اس وقت یزید کی عمر تقریباً چھ سال تھی۔ دیکھئے تقریب التہذیب وغیرہ۔

صرف اس ایک دلیل سے ہی روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''اول جیش'' والی روایت یزید پر فٹ کرنا صحیح نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یزید بن معاویہ کے بارے میں دو باتیں انتہائی اہم ہیں۔

۱: قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آور لشکر میں اس کا موجود ہونا ثابت نہیں۔

۲: یزید کے بارے میں سکوت کرنا چاہئے، حدیث کی روایت میں وہ مجروح راوی ہے۔

(۷) یزید بن معاویہ کے آخری حملہ سے پہلے قسطنطنیہ پر سابقہ حملوں کے علاوہ ایک اور حملہ بھی ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: '' **واستعمل معاوية سفيان بن عوف على الصوائف و كان يعظمه**'' (الاصابۃ ج۲ ص۵۶) اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف کو قسطنطنیہ پر صیفی حملوں میں امیر بنایا اور آپ ان کی تعظیم کرتے تھے۔ محمد الخضیری کی ''محاضرات الامم الاسلامیہ'' میں ہے کہ: '' **وفی ۴۸ھ جهز معاوية جيشاً عظيماً لفتح قسطنطنية و كان على الجيش سفيان بن عوف** '' (ج۲ ص۱۱۴) اور ۴۸ھ میں معاویہ نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ایک عظیم لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔

تنبیہ: محاضرات کا حوالہ، ایک دوسری کتاب سے لیا گیا ہے۔

---

(٦) یہ حملہ قسطنطنیہ پر مضیق القسطنطنیہ کی طرف سے ہوا تھا، یہ مقام اس شہر کے قریب ہے حافظ ذھبی لکھتے ہیں: '' **فيها كانت وقعة المضيق بالقرب من قسطنطنية و أمير ها معاوية** '' (تاریخ الاسلام للذھبی، عہد الخلفاء الراشدین ص۳۷۱) اس سند میں مضیق کا واقعہ ہوا جو کہ قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اس کے امیر معاویہ تھے لہذا یہ حملہ بھی قسطنطنیہ پر ہی تھا،

توضیح الاحکام

حافظ زبیر علی زئی

سوالات:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب حافظ زبیر علی زئی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے، چند احادیث کی تخریج کیلئے آپ کا تعاون درکار ہے امید ہے کہ آپ تعاون کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

۱: **فمن ترکھا متعمداً فقد خرج من الملۃ** (الترغیب والترہیب ح ۷۹۷، مجمع الزوائد ح ۱۱۴۷)

جس نے دانستہ (عمداً) نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔

۲: بیماروں کے لئے حمام میں نہانا مفید ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد کتاب الطھارۃ باب فی الحمام والنورۃ ۳۸۸/۱ ح ۱۵۱۹ اونسخہ مشہورۃ ۲۷۷/۱)

۳: ان غسل خانوں میں شور وشغب بہت ہوتا تھا اور بے پردگی عام تھی۔ (مجمع الزوائد: ۳۸۹/۱ ح ۱۵۲۴)

۴: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حمام میں جاتے اور نہلانے والا آپ کے بدن پر میل دور کرنے کی کوئی چیز ملتا تو وہ ناف تک پہنچتا تو آپ اس سے بھی کہہ دیتے'' اخرج ''باہر چلے جاؤ (مجمع الزوائد: ۳۹۰/۱ ح ۱۵۲۹ ادوسرانسخہ: ۲۷۹/۱)

۵: ابوروح الکلاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھاتے وقت سورہ روم پڑھی آپکو اس میں اشتباہ ہو گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شیطان نے ہماری قراءت میں شبہ ڈال دیا اور اس کا سبب وہ لوگ ہیں جو وضوء کئے بغیر نماز کو آجاتے ہیں لہذا جب تم نماز کو آؤ تو اچھی طرح وضوء کر کے آیا کرو۔

(الفتح الربانی ۴۶/۲)

۲: رسول اللہ ﷺ نے وضوء کی فضیلت و برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:'' میں قیامت کے روز اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔'' کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے؟ وہاں تو ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے فرمایا: ایک پہچان یہ ہوگی کہ وضوء کی وجہ سے میری امت کے چہرے اور ہاتھ جگمگا رہے ہوں گے۔(فتح الربانی ۳۵/۲) یہ جوابات ماہنامہ شہادت میں بھی شائع کروادیں۔ والسلام علیکم '' (محمد محسن سلفی)

جوابات:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جوابات درج ذیل ہیں:

۱: طبرانی فرماتے ہیں کہ:

" حدثنا يحي بن أيوب العلاف :حدثنا سعيد بن أبي مريم :حدثنا نافع بن يزيد : حدثنا سيار (في الأصل :سكن) بن عبدالرحمٰن عن يزيد بن قوذر [۱] (في الأصل :قوذر) عن سلمة بن شريح عن عبادة بن الصامت قال :أو صانا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع خلال فقال :لا تشر كوا بالله شيئاً وإن قطعتم أو حرقتم أو صليتم ولا تتركوا الصلوة متعمدين ، فمن تركها متعمداً فقد خرج من الملة ، ولا تركبوا المعصية فإنها سخط الله ، ولا تقربوا الخمر فإنه رأس الخطايا كلها ولا تفروا من الموت أو القتل وإن كنتم فيه ولا تعص والديك وإن أمراك أن تخرج من الدنيا كلها فاخرج ، ولا تضع عصاك عن أهلك وأنصفهم من نفسك "

(جامع المسانید والسنن لابن کثیر ۱۱۹/۷ ح ۴۸۶۷)

اسے محمد بن نصر المروزی (تعظیم قدر الصلوۃ ۸۸۹/۲ ح ۹۲۰، وھو کتاب الصلوۃ، لہ) امام بخاری (التاریخ الکبیر ۵/۴، ۷ مختصراً) ابن ابی حاتم الرازی (التفسیر ۱۴۱۴/۵ ح ۸۰۵۸ مختصراً) ھبۃ اللہ الالکائی (شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ ۸۲۲/۴، ۸۲۳ ح ۱۵۲۲) نے سعید بن ابی مریم (الجمحی المصری: ثقہ ثبت فقیہ/تقریب: ۲۲۸۶) کی سند سے روایت کیا ہے، ضیاء المقدسی نے کتاب: الاحادیث المختارۃ (۲۸۷/۸ ۲۸۸ ح ۳۵۱) میں امام طبرانی کی سند اور (ح ۳۵۰) دوسری سند سے سعید بن ابی مریم سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ: " لا يعرف إسناده " اس کی سند معروف نہیں ہے۔

سلمہ بن شریح کو ابن حبان نے کتاب الثقات (۳۱۸/۴) میں ذکر کیا ہے، حافظ الضیاء المقدسی نے اس کی حدیث کو المختارۃ میں لاکر صحیح قرار دیا ہے جو کہ توثیق ہے۔

---

[۱] ويقال :يزيد بن قوذر ، وذكره ابن حبان في الثقات (۶۲۷/۵) وقال :" روى عنه أهل مصر "

یزید بن قودر کو بھی ابن حبان اور ضیاء المقدسی نے ثقہ قرار دے رکھا ہے، باقی راوی ثقہ وصدوق ہیں، اس لحاظ سے یہ سند حسن ہے، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلمہ بن شریح کے بارے میں حافظ ذھبی کے قول: **لا یعرف** (میزان الاعتدال ۱۹۰/۲ ت ۳۴۰۲) سے استدلال کرتے ہوئے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور الترغیب والترھیب للمنذری کے تین معلقین پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" ولا شاهد لفقرة الخروج من الملة وغيرها وقد وقع في مثله بعض من نظن فيه العلم من الكتاب المعاصرين " (ضعیف الترغیب والترہیب ۱۶۱/۱ تحت ح ۳۰۰)

یعنی: اور ملت (اسلامیہ) سے خروج وغیرہ کے فقرے کا کوئی شاہد نہیں ہے، معاصر لکھاریوں میں سے بعض (یعنی الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی، الھندی) جن کے علم کے بارے میں ہم (حسن) ظن رکھتے ہیں اسی خطا میں گر گئے ہیں (یعنی اس روایت کو شواہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ یہ روایت ضعیف ہے)

تنبیہ: حافظ المنذری نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

" بإسنادين لا بأس بهما " (الترغیب والترھیب ۳۷۹/۱ ح ۷۹۷)

حالانکہ اس کی صرف ایک ہی سند ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ **" بإسناد ين عن سعيد بن أبي مريم "** واللہ اعلم۔

اب اس حدیث کے شواہد کا جائزہ درج ذیل ہے:

۱: عن أبي الدرداء قال :" أوصاني خليلي صلى الله عليه وسلم أن لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت وحرقت ولا تترك صلوة مكتوبة متعمداً ، فمن تركها فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فإنها مفتاح كل شر۔ (ابن ماجه ، مختصراً ، سنده حسن و حسنه البوصيري وقال :الألباني في الأول : " حسن " وفي الثاني : "صحيح " يعنى بشواهده)

۲: عن أميمة مولاة رسول الله ﷺ عن رسول الله ﷺ قال :" لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت وحرقت بالنار ، ولا تعصين والديك وإن أمراك أن تخلي عن أهلك ودنياك فتخله ولا تشربن خمراً فإنها رأس كل شر ولا تتركن صلوة متعمداً فمن فعل ذلك برئت منه ذمة الله وذمة رسوله ، ولا تفرن يوم الزحف ، فمن فعل ذلك باء بسخط من الله ومأواه جهنم وبئس المصير ، ولا تزدادن في تخوم أرضك فمن فعل ذلك يأتي به على رقبته يوم القيامة من مقدار سبع أرضين وأنفق على أهلك من طولك ، ولا ترفع عصاك عنهم وأخفهم في الله " ۔ (الطبراني في الكبير ح

وقال الهيثمي : " وفيه يزيد بن سنان الرهاوي وثقه البخاري وغيره والأكثر على تضعيفه وبقية

رجاله ثقات " مجمع الزوائدؒ)

یزید بن سنان الرھاوی ضعیف ہے (تقریب:۷۷۲۷)

اسے امام احمد اور جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

لا: عن معاذ بن جبل رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ قال :

" لا تشرك بالله وإن قتلت وحرقت ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك ولا تتركن صلوة مكتوبة متعمداً فإن من ترك صلوة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله ولا تشربن خمراً فإنه رأس كل فاحشة وإياك والمعصية فإن بالمعصية حل سخط الله عزوجل وإياك والفرار من الزحف وإن هلك الناس وإذا أصاب الناس موتان وأنت منهم فاثبت وأنفق على عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك أدباً ، وأخفهم في الله "

(احمد:۵/۲۳۸ ح ۲۲۴۲۵)

یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ المنذری نے کہا: " فإن عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر لم یسمع من معاذ " (الترغیب والترھیب ۱/۳۸۳ ح ۸۰۷) اس میں علتِ ثانیہ یہ ہے کہ اسماعیل بن عیاش مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰/۸۲ ح ۱۵۶) میں اس مفہوم کی دوسری سند بھی ہے جس میں عمرو بن واقد ہے جس کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا: " وھو کذاب" " (مجمع الزوائد:۴/۲۱۵) وقال ابن حجر: "متروك" (التقریب:۵۱۳۲)

لا : مکحول عن أم أیمن رضی الله عنها أنها سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول :

"لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت أو حرقت بالنار ولا تفريوم الزحف وإن أصاب الناس موت وأنت فيهم فاثبت وأطع والديك وإن أمراك أن تخرج من مالك ولا تترك الصلوة متعمداً فإنه من ترك الصلوة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله ، إياك والخمر فإنها مفتاح كل شر و إياك والمعصية فإنها تسخط الله ، لا تنازع الأمر أهله وإن رأيت أن لك ، أنفق على أهلك من طولك ولا ترفع عصاك عنهم وأخفهم في الله عزوجل "

(مسند عبد بن حمید المنتخب:۱۵۹۲، واحمد:۶/۴۲۱ ح ۲۷۹۰۸ مختصراً والبیہقی:۷/۳۰۴ واللفظ لعبد بن حمید)

یہ روایت منقطع ہے، حافظ ابن السکن نے کہا: " هو مرسل لان مكحولاً لم يدرك أم أيمن " (الاصابۃ: ۴/۲۴۳ ت ۱۱۶) تاریخ دمشق لابن عساکر میں اس روایت میں مکحول وسلیمان بن موسیٰ عن أم أیمن کی سند ہے۔ (۱۷۰/۶۵) یہ سند بھی منقطع اور ضعیف ہے۔

ج عن أبي ريحانة بلفظ : لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت وحرقت بالنار وأطع والديك وإن أمراك أن تخلي من أهلك و دنياك ولا تدعن صلوة متعمداً فإن من تركها فقد برئت منه ذمة الله وذمة رسوله ولا تشربن خمراً فإنها رأس كل خطئية ولا تزدادن في تخوم أرضك فإنك تأتي بها يوم القيامة من مقدار سبع أرضين ـ (إتحاف السادة المتقين ج۵ ص۱۹)

مجھے اس روایت کی سند کہیں سے نہیں ملی، ایسی بے سند روایات مردود کے حکم میں ہوتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ " فقد خرج من الملة " کے الفاظ صرف عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ والی روایت ہی میں ہیں، دوسری کسی روایت میں نہیں۔ اس جواب کے شروع میں یہ تحقیق گزر چکی ہے کہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی سند حسن ہے۔

تنبیہ ا: المعجم الاوسط للطبرانی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر جهاراً " (۲۱۱/۴ ح ۳۳۷۲)

اس روایت کے راویوں پر مختصر تبصرہ درج ذیل ہے:

۱: جعفر (بن محمد الفریابی): كان ثقة أميناً حجة (تاریخ بغداد: ۲۰۰/۷ ت ۳۶۶۵)

۲: محمد بن ابی داود الانباری: اس کے حالات نامعلوم ہیں، شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ خیال ہے کہ یہ شخص کتاب الثقات لابن حبان (۹۵/۹) اور تھذیب التھذیب (۱۷۷/۹ ت ۳۱۲) کا راوی محمد بن سلیمان بن ابی داود الحرانی ہے (السلسلۃ الضعیفۃ: ۱۲/۶ ح ۲۵۰۸) ابن ابی داود الحرانی کی وفات ۲۱۳ھ ہے (تہذیب الکمال: ۳۲۴/۱۶) جبکہ جعفر الفریابی کی پیدائش ۲۰۷ھ ہے (سیر اعلام النبلاء: ۹۶/۱۴) جعفر الفریابی نے حدیث لکھنے کی ابتداء ۲۲۴ھ میں یعنی الحرانی کی وفات کے بعد شروع کی تھی، لہذا یہ ظاہر ہے کہ یہ ابن ابی داود کوئی دوسرا شخص ہے، الحرانی کے شیوخ میں ھاشم بن القاسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۳: ھاشم بن القاسم: أبو النضر ، ثقة ثبت (التقریب: ۷۲۵۶)

۴: ابوجعفر الرازی: حسن الحديث ، وثقه الجمهور (دیکھئے تسہیل الحاجۃ: ۷۰ و تہذیب التہذیب ونیل المقصود: ۱۱۸۲) لیکن اگر وہ ربیع بن انس سے روایت کرے تو لوگ اس روایت سے بچتے ہیں۔ (الثقات لابن حبان: ۲۲۸/۴) یعنی ابوجعفر الرازی کی ربیع بن انس سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۵: ربیع بن انس: حسن الحديث (نیل المقصود: ۳۴۷/۱ ح ۱۱۸۲)

۶: انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

تنبیہ ۲: عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ والی روایت میں

'' فمن ترکھا متعمداً فقد خرج من الملة '' کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ:

اگر کوئی شخص مطلقاً نماز (الصلوۃ) پڑھنا چھوڑ دے، کبھی نہ پڑھے تو یہ شخص ملت سے خارج ہوجاتا ہے، معلوم ہوا کہ جو شخص سستی وغیرہ کی وجہ سے کبھی کبھار بعض نمازیں نہیں پڑھتا تو ایسا شخص یہاں مراد نہیں ہے۔

۲: روایت مذکورہ، اس مفہوم کے ساتھ المعجم الکبیر للطبرانی (۲۵/۱۱، ۲۶ ح ۱۰۹۲۶) میں موجود ہے، اس کا راوی یحیی بن عثمان التیمی: ضعیف (ہے) [التقریب: ۷۶۰۶] ضعفه الجمهور

یہ روایت زوائد البزار میں شفاء مریض کے بغیر ''ینقی الوسخ '' کے الفاظ سے لکھی ہوئی ہے۔ (۱۶۲/۱ ح ۳۱۹)

اس کی سند سفیان ثوری کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ: روایت مسئولہ بلحاظ سند ضعیف ہے۔

۳: یہ طبرانی والی ضعیف روایت ہے، جس پر تبصرہ جواب نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

۴: اس روایت کی سند مجھے معلوم نہیں ہے، مصنف عبدالرزاق (۲۹۱/۱، ۲۹۲) وموسوعۃ فقہ عبداللہ بن عمر (ص ۳۰۸) میں اس کے معنوی شواہد ہیں۔ ابن ابی شیبہ (۱۰۹/۱ ح ۱۱۶۵) نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: '' لا تدخل الحمام فإنه مما أحدثوا من النعيم ''

۵: یہ روایت مسند احمد (۴۷/۳ ح ۱۵۹۶۹) پر موجود ہے، سنن النسائی (۱۵۶/۲ ح ۹۴۸) وغیرہ میں اسکی دوسری سند بھی ہے جس کے ساتھ یہ روایت صحیح ہے، دیکھئے میری کتاب '' عمدۃ المساعی فی تخریج سنن النسائی '' (ق ۹۴/۱) يسر الله لنا طبعه

۶: روایت مذکورہ کے مفہوم کی دو روایتیں الفتح الربانی (۳۰/۲) میں موجود ہیں۔

ا: عن نعيم المجمر عن أبي هريرة رضي الله عنه إلخ

یہ روایت بالکل صحیح ہے اور صحیح بخاری (۱۳۶) وصحیح مسلم (۳۴، ۳۵/۲۴۶) میں موجود ہے

ب: عن زر بن حبيش عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه إلخ

یہ روایت سنن ابن ماجہ (۲۸۴) میں موجود ہے اور حسن لذاتہ ہے۔

وما علينا الا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی (۱۴ مئی ۲۰۰۴ء)

سوال: ایک تبلیغی دیوبندی (علی آفاق) نے مجھے لکھ کر دیا ہے کہ:

''اگر جناب عمران صاحب نماز شروع کرنے کی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ ادا کرنے کا طریقہ حدیث سے بیان کر دیں کہ امام صاحب کس طرح ادا کریں، اونچی یا آہستہ اور مقتدی کس طرح ادا کرے اونچی یا آہستہ، بہر صورت حدیث بیان کریں، میں اُسی وقت بھائی کا مسلکِ قرآن وحدیث اختیار کر لوں گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو بھائی عمران صاحب حنفیت اختیار کریں گے، دستخط علی آفاق (مولانا) ۲۰۰۴-۸-۱۶'' انتھی کلامہ

کیا اس بات کا ثبوت ہے کہ امام نماز میں اونچی تکبیریں کہے اور مقتدی دل میں یعنی سراً تکبیریں کہیں، دلیل سے جواب دیں، جزاکم اللہ خیراً (عمران بن تسلیم خان حضرو ضلع اٹک)

جواب:

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :

امام کا اونچی آواز سے تکبیریں کہنا:

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"أخبرنا أبو القاسم طلحة بن علي بن الصقر وأبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي طاهر الدقاق ببغداد قالا :أنبأ أحمد بن عثمان بن يحي الأدمي :ثنا عباس بن محمد بن حاتم الدوري :ثنا يونس بن محمد : ثنا فليح عن سعيد بن الحارث قال :اشتكى أبو هريرة أو غاب ، فصلى أبو سعيد الخدري فجهر با لتكبير حين افتتح وحين ركع وبعد إن قال:سمع الله لمن حمده وحين رفع رأسه من السجود وحين سجد وحين رفع وحين قام من الركعتين حتى قضى صلوته على ذلك ، فلما انصرف قيل له :قد اختلف الناس على صلوتك ،فخرج حتى قام عند المنبر فقال:أيها الناس إني والله ماأبالي اختلفت صلوتكم أولم تختلف ،إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا يصلي ، رواه البخاري فى الصحيح عن يحي بن صالح عن فليح بن سليمان "

ترجمہ: سعید بن الحارث (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ: ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) جو امام تھے، ایک (دفعہ) بیمار ہوئے یا (کسی وجہ سے مسجد سے) غائب تھے تو ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) نے (ہمیں) نماز پڑھائی، پس انہوں نے تکبیر افتتاح، رکوع والی تکبیر، سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد (سجدے کے لئے جانے) والی تکبیر، سجدے سے اُٹھنے والی تکبیر، (دوبارہ) سجدہ کرنے والی تکبیر، (سجدے سے) اُٹھنے والی تکبیر اور دو رکعتیں پڑھ کر اٹھنے والی تکبیر (یہ سب تکبیریں) جہراً (اونچی آواز سے) کہیں، حتی کہ انہوں نے اسی (طریقے) پر نماز پوری کی۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا گیا: لوگوں کا آپ کی نماز پر اختلاف ہو گیا ہے۔ تو آپ (وہاں سے) نکل کر منبر پر کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ کی قسم مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تمہاری نمازوں میں اختلاف ہوا ہے یا نہیں، بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو

اسی طرح نماز پڑھتے (پڑھاتے) دیکھا ہے۔

اسے (امام) بخاری نے صحیح (بخاری) میں یحیٰ بن صالح عن فلیح بن سلیمان کی سند سے روایت کیا ہے (السنن الکبری للبیهقي ج ص باب جهر الإمام با لتكبير)

سند کی تحقیق: اس حدیث کی سند کے راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) أبو القاسم طلحة بن علي بن الصقر : كان ثقة (تاريخ بغداد ص)

(۲) أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبى طاهر الدقاق : كا ن ثقة (تاريخ بغداد)

(۳) أحمد بن عثمان بن يحي الأدمي: وكان ثقة حسن الحديث (تاريخ بغداد)

(۴) عباس بن محمد بن حاتم الدوري :ثقة حافظ (تقريب التهذيب:)

(۵) يونس بن محمد (المؤدب) :ثقة ثبت (تقريب التهذيب:)

(٦) فليح بن سليمان : صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی ہے، جمہور نے اُس کی توثیق کی ہے۔ جس کی جمہور محدثین توثیق کریں وہ راوی (کم از کم طور پر) حسن الحدیث ہوتا ہے۔ حافظ ذھبی اس کی بیان کردہ حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں، مثلاً دیکھئے المستدرک للحاکم (۴/۷۰ح ۸۲۴۴)

امام بخاری و مسلم کے علاوہ، درج ذیل محدثین نے بھی اُس کی حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) الترمذی: ۲۶۰ (۲) الحاکم (۳) ابن خزیمہ: ۵۸۹ (۴) ابن حبان/ الاحسان ۴/۲۹ ح ۲۳۰۲، دوسرا نسخہ ۷۹/۶، ۸۰ ح ۲۳۰۵ وغیرھم

خلاصہ یہ کہ فلیح بن سلیمان حسن الحدیث راوی ہے والحمدللہ۔

حافظ ذھبی فرماتے ہیں کہ: ''وحديثه في رتبة الحسن'' اور اس کی حدیث حسن کے درجہ میں ہوتی ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۲۴ ت ۲۰۹) محمد بن علی النیموی نے فلیح مذکور کی حدیث کو ''اسنادہ حسن'' قرار دیا ہے اور امام ذھبی کا قول نقل کیا ہے (آثار السنن ح: ۶۰۴ مع التعلیق)

(۷) سعيد بن الحارث : ثقہ ہے (تقریب: ۲۲۸۰)

خلاصہ: یہ سند حسن یعنی حسن لذاتہ ہے۔

تنبیہ: یہی روایت حافظ ہیثمی نے بحوالہ مسند احمد نقل کی ہے (مجمع الزوائد ۲/۱۰۳، ۱۰۴) اور حافظ ہیثمی سے ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے (اعلاء السنن ۲/۱۸۵ ح ۶۶۲ و احیاء السنن ۱/۲/۳۷)

فائدہ: بیہقی والی یہ حدیث، صحیح بخاری میں مختصراً موجود ہے (ح: ۸۲۵)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جماعت میں امام کو، بلند آواز سے تکبیریں کہنی چاہئیں۔

مقتدیوں کا دل میں (خُفیہ) تکبیریں کہنا:

مقتدیوں کا دل میں، آہستہ آواز سے، خُفیہ تکبیریں کہنا کئی دلائل سے ثابت ہے۔

۱: اس پر اجماع ہے کہ مکبر کے علاوہ تمام مقتدیوں کو، امام کے پیچھے دل میں، سراً، آہستہ آواز سے اور خفیہ تکبیریں کہنی چاہئیں۔ اس اجماع کا نظارہ، دنیا کی کسی بھی مسجد میں جا کر کیا جا سکتا ہے، والحمدللہ

امام نذیر احمد رحمانی (متوفی ۱۹۶۵ء) فرماتے ہیں کہ:

''اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ تکبیرات انتقال امام زور سے کہتا ہے تو مقتدی بھی اس کی اتباع میں زور سے کہیں''

(نوافل کی جماعت کے ساتھ فرض نماز کا حکم ص ۸۴ مطبوعہ: ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

ماہنامہ الحدیث حضرو میں بار بار یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اجماعِ شرعی حجت ہے مثلاً دیکھئے الحدیث: ۱ ص ۴، والحمدللہ

۲: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''كنا نتكلم في الصلوة ، يكلم أحدنا أخاه في حاجته حتى نزلت هذه الآية ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ فأمرنا با لسكوت''

ہم نماز میں باتیں کرتے تھے۔ ہر آدمی اپنے (ساتھ والے) بھائی سے ضروری بات کر لیتا تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز (عصر) کی حفاظت کرو، اور اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہو جاؤ﴾ [البقرۃ: ۲۳۸] پھر ہمیں سکوت (خاموشی) کا حکم دے دیا گیا۔ (صحیح بخاری: ۴۵۳۴ و صحیح مسلم: ۵۳۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی خاموشی سے نماز پڑھے گا۔ اس حکم سے تین حالتیں مستثنیٰ ہیں۔

اول: مقتدی اگر مکبر ہو تو دوسرے مقتدیوں کو سنانے کے لئے بلند آواز سے تکبیریں کہے گا۔ اس کی دلیل آگے آ رہی ہے۔

دوم: امام اگر بھول جائے تو مقتدی مرد سبحان اللہ کہے گا۔ دلیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۱۲۳۴) و صحیح مسلم (۴۲۱)

سوم: اگر امام قرأت میں بھول جائے تو مقتدی اسے بلند آواز میں لقمہ دے سکتا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۹۰۷) و جزء القرأۃ للبخاری بتحقیقی (۱۹۴) وسندہ حسن۔

۳: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''وقعد النبي صلى الله عليه وسلم إلى جنبه وأبو بكر يسمع الناس التكبير'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھ گئے (آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے لگے) اور ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۷۱۲ و صحیح مسلم: ۹۶/ ۴۱۸)

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔

اول: حالتِ ضرورت اور اضطرار میں مکبر بننا اور بنانا جائز ہے۔

دوم: سارے مقتدی بغیر جہر کے، خفیہ آواز میں، دل میں تکبیریں کہیں گے۔ ورنہ پھر مکبر بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

۴: عکرمہ سے روایت ہے کہ: ''میں نے مکہ میں ایک شیخ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہوں بائیس (۲۲) تکبیریں کہیں، میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ''سنة أبي القاسم صلى الله عليه وسلم'' یہ ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کی سنت ہے'' (صحیح البخاری: ۷۸۸)

چار رکعتوں میں تکبیر تحریمہ، رکوع اور سجدوں والی تکبیریں اور دو رکعتیں پڑھ کر اٹھنے والی تکبیر، یہ کل تکبیریں بائیس (۲۲) ہوتی ہیں۔

اس حدیث سے امام کا جہراً تکبیریں کہنا، بطورِ نص (دلیل) اور مقتدیوں کا دل میں تکبیریں کہنا بطورِ اشارہ ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ مقتدی حضرات دل میں سراً تکبیریں کہیں گے۔

سوال: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی صغرسنی میں آنکھیں خراب ہوگئیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کی بصارت جاتی رہی، امام بخاری کی والدہ محترمہ جو بڑی عابدہ اور صاحبِ کرامات خاتون تھیں، دعا کیا کرتیں کہ اے اللہ! میرے بیٹے کی بینائی درست کردو ایک رات خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔ آپ فرما رہے تھے کہ تمہاری کثرتِ دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی بینائی واپس لوٹادی ہے۔ چنانچہ اس شب کو جب وہ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند کی بینائی درست کردی۔ (تاریخ بغداد ص ۱۰ ج ۲۔ ھدی الساری ص ۴۷۸)''

(آفاتِ نظر اور ان کا علاج ص ۶۰، ناشر ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

کیا یہ واقعہ بلحاظِ سند صحیح ہے؟ اس کی تحقیق فرمادیں، جزاکم الله خیراً، (آپ کا شاگرد: حافظ شیر محمد)

الجواب:

اس روایت کی سند و متن تاریخ بغداد میں درج ذیل ہے۔

''حدثني أبو القاسم عبد الله بن أحد بن علي السوذرجاني بأصبهان من لفظه قال: نبأنا علي بن محمد بن الحسين الفقيه قال: نبأنا خلف بن محمد الخيام قال: سمعت أبا محمد عبد الله بن محمد بن إسحاق السمسار يقول: سمعت شيخي يقول: ذهبت عينا محمد بن إسماعيل في صغره فرأت والدته في المنام إبراهيم الخليل عليه السلام، فقال لها: ياهذه قد ردالله على ابنك بصره لكثرة بكائك أولكثرة دعائك، قال: فأصبح وقد ردالله عليه بصره'' (۱۰/۲)

اس سند کے راویوں کی تحقیق درج ذیل ہے۔

۱: شیخ ، یہ مجہول ہے۔
۲: ابومحمد المؤذن عبداللہ بن محمد بن إسحاق السمسار کے حالات نہیں ملے۔
۳: خلف بن محمد الخیام سخت ضعیف راوی ہے۔اس کے بارے میں امام خلیلی نے فرمایا:''وھو ضعیف جداً'' اور وہ سخت ضعیف ہے۔(الارشاد للخلیلی ج۳ص۹۷۲ ولسان المیزان ۴/۴۰۴)
اس پر امام حاکم نیشاپوری اور ابن ابی زرعہ نے جرح کی ہے۔ابوسعد الادریسی نے بھی اس کی تلیین (تضعیف) کی ہے۔
۴: علی بن محمد بن الحسین الفقیہ کے حالات نہیں ملے۔
۵: ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن اسحاق السوذرجانی کے حالات نہیں ملے۔
نتیجہ: یہ سند سخت ضعیف ہے۔
حافظ ابن حجر العسقلانی نے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ:''فروي غنجار في تاریخ بخاری و اللالکائي في شرح السنة فی باب کرامات الأولیاء منه أن محمدبن إسماعیل ذهبت عیناه في صغره ''(ص۴۰۱)
غنجار والی روایت کی سند درج ذیل ہے۔
'' أنا خلف بن محمد قال :سمعت أحمد بن محمد بن الفضل البلخي یقول:سمعت أبي یقول : ذهبت عینا محمد بن إسماعیل في صغره ''(تغلیق التعلیق ۵/۳۸۸)
ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان بن کامل البخاری:غنجار کے حالات سیر اعلام النبلاء (۱۷/۳۰۴) وغیرہ میں ہیں۔
خلف بن محمد الخیام سخت ضعیف ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔
احمد بن محمد بن الفضل البلخی کے حالات بھی مطلوب ہیں۔
تنبیہ: محمد بن احمد بن سلیمان: غنجار والی روایت امام لالکائی نے'' کرامات اولیاء اللہ'' میں: ''أخبرنا أحمد بن محمد بن حفص'' عن غنجار کی سند سے بیان کر رکھی ہے (ص۲۹۰ ح۲۲۹) لیکن نسخہ مطبوعہ میں کمپوزر یا ناسخ کی غلطی کی وجہ سے سند میں تصحیف وتحریف واقع ہو چکی ہے۔
نتیجہ: غنجار اور لالکائی والی روایت خلف بن محمد الخیام کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔
لہذا یہ سارا قصہ ثابت نہیں ہے۔
سوال: درج ذیل کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ: امام شعبہ فرماتے تھے کہ :'' کا ن أبو هریرة یدلس''
یعنی ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) تدلیس کرتے تھے۔
سیر أعلام النبلاء (۲/۶۰۸ ت ۱۲۶) البدایہ والنھایہ لابن کثیر (۸/۱۱۲ قال: ذکرہ ابن عساکر) دفاع عن أبي ھریرۃ (ص۱۲۵ تصنیف: عبدالمنعم صالح العلي العزي) الأنوار الکاشفہ (۱۶۳ تصنیف: عبدالرحمن بن یحیی المعلمی)

یہی قول ماھنامہ ''دعوت أهل حديث '' ج۴ شمارہ:۳، رجب ۱۴۲۵ھ بمطابق ستمبر۲۰۰۴ء میں ص ۱۸ پر بغیر کسی قوی رد کے نقل کیا گیا ہے۔ کیا یہ قول امام شعبہ سے باسند صحیح ثابت ہے؟ تحقیق کرکے جواب دیں اور توضیح الاحکام میں بھی شائع کردیں۔ شکریہ (نصیر احمد کاشف)

الجواب:

یہ قول تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ذیل سند سے موجود ہے۔

''أخبرنا أبو القاسم بن السمر قندي :أنا أبو القاسم بن مسعدة :أنا حمزة بن يوسف :أنا أبو أحمد : أنا الحسن بن عثمان التستري ناسلمة بن حبيب قال:سمعت يزيد بن هارون قال سمعت شعبة يقول : أبو هريرة يدلس '' (ج ۶۷ ص ۳۶۶)

اس روایت میں ابواحمد سے مراد امام عبداللہ بن عدی الجرجانی ہے۔ اور یہ روایت اُن کی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں درج ذیل سند سے موجود ہے۔

''أخبرنا الحسن بن عثمان التسترى :ناسلمة بن شبيب قال :سمعت شعبة يقول :أبو هريرة كان يدلس ''

(ج ۱ ص ۸۱) ان دونوں روایتوں کو ملا کر معلوم ہوا کہ:

(۱) تاریخ دمشق میں ''سلمۃ بن حبیب'' کا نام غلط چھپ گیا ہے۔

اور صحیح ''سلمۃ بن شبیب''، ہی ہے جیسا کہ الکامل لابن عدی میں لکھا ہوا ہے۔ تھذیب الکمال للمزی میں سلمہ بن شبیب کے استادوں میں یزید بن ھارون، اور یزید بن ھارون کے شاگردوں میں سلمہ بن شبیب ہی مذکور ہے۔

(۲) کامل ابن عدی میں ناسخ یا ناشر کی غلطی سے سلمہ بن شبیب اور شعبہ کے درمیان یزید بن ھارون کا واسطہ گر گیا ہے۔ شعبہ کے شاگردوں میں سلمہ بن شبیب کا نام ونشان نہیں ہے اور نہ سلمہ کی شعبہ سے ملاقات کا کہیں ثبوت ہے۔ یہ دونوں سندیں حقیقت میں ایک ہی سند ہے اور اس کا بنیادی راوی الحسن بن عثمان التستری بڑا جھوٹا (کذاب) اور سارق (چور) ہے۔

امام ابن عدی نے اس التستری کے بارے میں فرمایا:

''كان عندي يضع ويسرق حديث الناس ، سألت عبدان الأهوازي عنه فقال :هو كذاب ''

وہ میرے نزدیک حدیثیں گھڑتا تھا اور لوگوں کی احادیث چوری کرتا تھا۔ میں نے عبدان الاھوازی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: وہ کذاب (جھوٹا) ہے (الکامل ج۲ ص ۷۵۶)

امام ابوعلی النیسابوری نے فرمایا:

''هو كذاب يسرق الحديث'' وہ جھوٹا ہے، حدیثیں چوری کرتا تھا (لسان المیزان ۲/۲۲۰ وطبعہ جدیدہ ج۲ ص ۴۱۱)

نتیجہ: یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ امام شعبہ اس سے بری ہیں۔ انہوں نے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے

میں یہ باطل کلام'' کان یدلس''فرمایا ہی نہیں۔لہذا منکرین حدیث کا سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس موضوع، باطل اور من گھڑت قول سے استدلال مردود و باطل ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن کثیر نے امام شعبہ سے منسوب اس موضوع و باطل قول کے بعد لکھا ہے کہ:

''أي يروي ماسمعه من كعب وماسمعه من رسول اللهﷺ ولا يميز هذا من هذا ۔ ذكر ابن عساكر ''

یعنی وہ کعب (الاحبار) سے سُنی ہوئی روایتیں بیان کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہوئی روایتیں بیان کرتے اور ایک روایت کی دوسری روایت سے تمیز نہ کرتے۔اسے ابن عساکر نے ذکر کیا ہے (البدایۃ والنھایۃ ۸/۱۱۲)

''ولایمیز هذا من هذا'' کا درج ذیل ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ: اور ایک روایت کی دوسری روایت سے تمیز نہ ہوتی۔

ترجمہ: جو بھی ہو یہ عبارت تاریخ دمشق میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس تاریخ دمشق میں لکھا ہوا ہے کہ بسر بن سعید نے کہا:

''اتقوا الله وتحفظوا من الحديث ،فوالله لقد رأيتنا نجالس أبا هريرة فيتحدث عن رسول الله ﷺ، ويحدثنا عن كعب ، ثم يقوم ، فأسمع بعض من كان معنا يجعل حديث رسول الله ﷺ عن كعب وحديث كعب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ''

اللہ سے ڈرو اور حدیثیں خوب یاد کرو، اللہ کی قسم ہم (سیدنا) ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھتے تو وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سناتے تھے اور (بعض اوقات) کعب (الاحبار) کے اقوال (بھی) سُناتے تھے۔

پھر وہ اُٹھ جاتے تو میں اپنے بعض (ضعیف و مجہول) ساتھیوں سے سنتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو کعب (الاحبار) کا قول اور کعب کے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بنا دیتے تھے (ج ۶۷ ص ۳۶۶)

معلوم ہوا کہ یہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی غلطی نہیں ہے بلکہ ان ضعیف و مجہول راویوں کی غلطی ہے جو یہ حرکت کرتے تھے۔ اس سے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔لہذا ابن کثیر کے قول:''ولا يميز هذا من هذا'' سے مراد وہ ضعیف و مجہول راوی ہیں جو حدیث اور قول میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔

محدثین کرام سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے ضعیف و مجہول شاگردوں کی روایتوں سے حجت نہیں پکڑتے بلکہ ثقہ و صدوق شاگردوں کی روایتوں سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ وما علينا الا البلاغ

نزولِ مسیح　　　　حافظ زبیر علی زئی

(۱۳) **ابوصالح ذکوان:** آپ صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ثبت تھے۔ (تقریب:۱۸۴۱)

امام طبری نے کہا:

'' حدثنا أحمد (هو ابن محمد بن صدقة) قال :حدثنا الهيثم بن مروان الدمشقي قال : حدثنا محمد بن عيسى بن سميع قال :حدثني روح بن القاسم عن عاصم بن بهدله عن أبي صالح عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ أنه قال :لا تقوم الساعة حتى ينزل عيسى بن مريم في الأرض حكماً عدلاً وقاضياً مقسطاً فيكسر الصليب ويقتل الخنزير والقرد وتوضع الجزية وتكون السجدة كلها واحدة لله رب العالمين ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت (کا دن) نہیں آئے گا، جب تک عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) زمین میں حاکم عادل اور قاضی منصف بن کر نازل نہ ہو جائیں، پس آپ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر اور بندر کو قتل کر دیں گے اور تمام سجدے (عبادتیں) صرف ایک اللہ رب العالمین کے لئے ہوں گے۔

(المعجم الاوسط: ۲۰۳/۲، ۲۰۴ ح ۱۳۶۴)

اس کی سند حسن ہے، اس کا ایک قوی شاہد صحیح مسلم (۲۸۹۷) میں سہیل عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کی سند سے ہے، اس کا متن اگلے صفحہ پر آ رہا ہے۔

(۱۴) **یزید بن الاصم:** آپ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: ۷۶۸۶) آپ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر بیان کرتے تھے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' تروني شيخاً كبيراً قد كادت ترقوتاي تلتقي من الكبر ، والله إني لأرجو أن أدرك عيسى وأحد ثه عن رسول الله ﷺ فيصد قني ''

آپ مجھے ایسا عمر رسیدہ سمجھتے ہیں، جس کی ہنسلی کی ہڈیاں بڑھاپے کی وجہ سے مل رہی ہوں؟ اللہ کی قسم میری یہ تمنا ہے، کہ

میں عیسی (علیہا السلام) کا زمانہ پاؤں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سناؤں تو وہ میری تصدیق کریں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۶ وعنہ ابن مندہ فی کتاب الایمان (۴۱۷)

اس کی سند حسن ہے۔

صحیح مسلم میں سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت نہ ہوگی یہاں تک کہ اہل روم اعماق پر اتر آئیں، پس جب وہ شام آئیں گے تو دجال نکلے گا ...... پھر وہ (مسلمان) جنگ کی میں صفوں کو برابر کر رہے ہوں گے۔

" إذا أقيمت الصلوة فينزل عيسى بن مريم ﷺ فأمهم فإذا أرآه عدو الله ذاب كما يذوب الملح في الماء فلو تركه لانذاب حتى يهلك ولكن يقتله الله بيده فيريهم دمه في حربته "

جب نماز کے لئے تکبیرا قامت کہی جا چکی ہوگی، تو عیسی بن مریم ﷺ نازل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی امامت (اس نماز کے بعد دوسرے مواقع پر) کریں گے، اور اللہ کا دشمن انہیں دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے گا، جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے، اگر وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں، تو وہ آپ ہی گھل کر ہلاک ہو جائے گا، مگر اسے اللہ ان کے ہاتھوں سے قتل کرائے گا اور وہ اپنے نیزے میں اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔

(صحیح مسلم: ح ۲۸۹۷، واللفظ لہ، صحیح ابن حبان: ۶۷۰۷/۴، المستدرک: ۴۸۲/۴ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

(۱۵) الاعرج: عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج صحاح ستہ کے راوی اور '' ثقہ ثبت عالم '' ہیں (تقریب: ۴۰۳۳)

حافظ ابن عدی نے حسن سند کے ساتھ عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ نقل کیا کہ:

" أن رسول الله ﷺ قال: ينزل عيسى بن مريم فيمكث في الناس أربعين سنة قيل يا أبا هريرة سنة كسنة فقال: هكذا قيل " (الکامل: ۲۶۳۴/۷)

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسی بن مریم نازل ہوں گے، پس لوگوں میں چالیس سال رہیں گے، کہا گیا اے ابو ہریرہ (کیا وہ) سال (موجودہ) سال کی طرح (ہوگا؟): فرمایا: اسی طرح کہا گیا ہے۔

(یہ حدیث امام طبرانی نے '' اربعين سنة '' تک اپنی کتاب الاوسط میں بیان کی ہے)

حافظ ہیثمی نے کہا:

" رواه الطبراني في الأوسط ورجاله ثقات " یعنی اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۲۰۵/۸)

ایک اور روایت میں ہے:

" لا ينزل الدجال المدينة ولكنه بين الخندق وعلى كل ثقب منها ملائكة يحرسونها فأول من يتبعه النساء والإماء فيؤذونه فيرجع غضبان حتى ينزل الخندق فينزل عند

ذلك عيسى بن مريم "

دجال مدینہ میں نہیں اترے گا، لیکن خندق تک آئے گا، مدینہ کے راستوں پر فرشتے مدینہ کی حفاظت کریں گے، سب سے پہلے اس کا پیچھا عورتیں کریں گی، پس وہ اسے تکلیف دیں گے تو وہ غضبناک ہو جائے گا، حتیٰ کہ وہ خندق میں اتر جائے گا، پس اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ (الاوسط للطبرانی:۲۱۹/۶ ح۵۴۶۱)

حافظ ہیثمی نے کہا:

رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح غير عقبة بن مكرم بن عقبة الضبي وهو ثقة "

یہ روایت حسن سند کے ساتھ مختصراً " لا ينزل الدجال المدينة " تک الکامل لابن عدی:۲۶۳۴/۷ پر بھی موجود ہے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نزول مسیح کی احادیث کے اور طرق بھی ہیں مثلاً دیکھئے اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی: ۱۲۱/۲، ۱۲۲ وغیرہ، لہٰذا یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یقیناً متواتر ہے۔

(۲) جابر بن عبداللہ الانصاری: مشہور جلیل القدر صحابی ہیں، حافظ ذہبی نے فرمایا:

" الإمام أبو عبدالله الأنصاري الفقيه مفتي المدينة في زمانه "

اور آپ کی عدالت پر پوری امت کا اجماع ہے، الصحابة كلهم عدول (تذکرۃ الحفاظ:۴۳/۱)

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا تزال طائفة من أمتي تقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة قال :فينزل عيسى بن مريم ﷺ فيقول أميرهم :تعال ، صل لنا ، فيقول :لا إن بعضكم على بعض امراء ، تكرمة الله هذه الأمة "

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک حق پر قتال کرے گا، پس عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہو جائیں گے، تو مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا: آئیے ہمیں نماز پڑھائیں، وہ کہیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے کے امیر ہو، اللہ نے اس امت کو یہ بزرگی بخشی ہے۔ (صحیح مسلم: ح۲۴۷/۱۵۶، واللفظ لہ، صحیح ابی عوانہ:۱۰۶/۲، ۱۰۷، صحیح ابن حبان:۶۷۸۰، مسند احمد:۳۴۵/۳، ۳۸۴ ح۱۵۱۹۴، ۱۴۷۷۲، التاریخ الکبیر للبخاری:۴۵۱/۵، السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۸۰/۹)

ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس صدوق تھے، مگر تدلیس کرتے تھے (تقریب:۶۲۹۱) صحیح مسلم وغیرہ میں انہوں نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے، لہٰذا تدلیس کا اعتراض مردود ہے، یہ حدیث کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''لوگ (ملک) شام میں دھویں کے پہاڑ کی طرف بھاگیں گے، پس وہ (دجال) ان (مسلمانوں) کا سخت محاصرہ کرے گا اور ان پر سخت کوشش کرے گا''

" ثم ينزل عيسى بن مريم عليه السلام فينادى من السحر فيقول يا أيها الناس ......

فإذا صلى صلاة الصبح خرجوا إليه ''

پھر عیسی علیہ السلام نازل ہوں گے، پس سحری کے وقت سے آواز دیں گے: اے لوگو!...... جب صبح کی نماز پڑھ لیں گے تو اس (دجال) کی طرف نکلیں گے۔ (مسند احمد: ۳۶۸/۳ ح ۱۵۰۱۷)

حافظ ہیثمی نے کہا: '' رواه أحمد بإسناد ين رجال أحدهما رجال الصحيح '' (مجمع الزوائد: ۳۴۴/۷)

(۳) النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں: ''صحابی مشہور سکن الشام'' (تقریب: ۷۲۰۱) سیدنا نواس رضی اللہ عنہ دجال کے بارے میں طویل حدیث میں نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ:

'' إذ بعث الله المسيح بن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهر و ذتين واضعاً كفيه على أجنحة ملكين إذا طأطأ رأسه قطر وإذا رفعه تحدر منه جمان كا للؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه إلا مات ونفسه ينتهي حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله ثم يأتي عيسى بن مريم ...... ويحصر نبي الله عيسى و أصحابه ...... ''

(دجال اسی حالت میں ہوگا) اچانک اللہ تعالیٰ عیسی بن مریم کو بھیجے گا، وہ شہر دمشق کی طرف زرد رنگ کی دو چادریں لپیٹے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے سفید منارہ کے پاس اتریں گے، جب عیسی سر جھکائیں گے تو پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ٹپکے گے، جس کافر کوان کے سانس کی خوشبو پہنچے گی اس کا زندہ رہنا حلال نہ ہوگا، فوراً مر جائے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی، پھر وہ دجال کو تلاش کریں گے اور بابِ لدّ، پر اسے قتل کر دیں گے، پھر وہ ان لوگوں کے پاس آئیں گے...... عیسی اور ان کے ساتھی۔

(صحيح مسلم : ٢٢٥/٤ – ٢٥٥ ح ٢٩٣٧) وعنه البغوى في شرح السنة : ٥٤/١٥ ، مسند احمد : ١٨١/٤ ح ١٧٧٧٩ ، سنن ابى داود : ٤٣٢١، سنن ابن ماجه : ٤٠٧٥ ، عمل اليوم والليلة للنسائي : ٩٤٧ ، صحيح ابن حبان : ٦٧٧٦ ، جامع ترمذى : ٢٢٤٠ ولفظه : " فبينماهو كذلك إذ هبط عيسى بن مريم عليهما السلام بشرقى دمشق عند المنارة البيضاء ...... " وقال : " هذا حديث حسن صحيح غريب " المستدرك : ٤٩٢/٤ وصححه الحاكم و وافقه الذهبى ، وقال البغوي في شرح السنة : " هذا حديث صحيح " فضائل القرآن للنسائي : ٤٩ كما في تحفة الاشراف : ٦٠/٩)

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور سند بالکل صحیح ہے۔

(۴) اوس بن اوس رضی اللہ عنہ: آپ صحابی ہیں دیکھئے اسد الغابۃ (۱۳۹/۱) الاصابۃ (۷۹/۱) وغیرہما۔ امام طبرانی نے اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" ينزل عيسى بن مريم عليه السلام عند المنارة ابيضاء شرقي دمشق "

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس نازل ہوں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱/۷/۲۱۷ح ۵۹۰)

حافظ نورالدین الہیثمی نے کہا: " رواه الطبراني ورجاله ثقات " (مجمع الزوائد:۸/۲۰۵)

اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما: آپ انتہائی جلیل القدر صحابی ہیں، حافظ ابن حجر نے کہا:

" أحد السابقين المكثرين من الصحابة وأحد العبادلة الفقهاء " (تقریب:۳۴۹۹) حافظ ذہبی نے کہا:

" العالم الرباني ...... وقد كان من أيام النبي ﷺ صواماً قواماً تالياً لكتاب الله طلابة للعلم"

(تذکرۃ الحفاظ:۱/۴۱، ۴۲)

آپ نے نبی ﷺ سے جو احادیث سنی تھیں، ان کا ایک مجموعہ (الصحیفہ الصادقہ) تیار کیا تھا۔ یہ صحیفہ ان سے ان کے پوتے شعیب اور ان سے عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں، آپ سے تقریباً سات سو (۷۰۰) احادیث مروی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يخرج الدجال في أمتي فيمكث أربعين لا أدري يوماً أوأربعين شهراً أوأربعين عاماً فيبعث الله عيسى بن مريم كأنه عروه بن مسعود فيطلبه فيهلكه ثم يمكث الناس سبع سنين ليس بين اثنين عداوة "

یعنی: دجال میری امت میں نکلے گا، اور چالیس سال تک رہے گا (راوی کہتے ہیں) میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا، گویا وہ عروہ بن مسعود ہیں، وہ دجال کو تلاش کر کے اسے ہلاک کر دیں گے، پھر سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم:۴/۲۲۵۸، ۲۲۵۹ح ۲۹۴۰، النسائی فی کتاب التفسیر من السنن الکبری کما فی تحفۃ الاشراف:۶/۳۹۱، مسند احمد:۲/۱۶۶ح ۶۵۵۵، صحیح ابن حبان:۷۳۰۹، مستدرک:۴/۵۴۳، ۵۴۴، ۵۵۰، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(۶) ابوسریحہ حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ: حافظ ابن حجر نے کہا:

" صحابي من أصحاب الشجرة ، یعنی آپ صحابی ہیں اور بیعتِ رضوان میں شامل تھے، (تقریب:۱۱۵۴)

آپ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات ، فذكر الدخان والدجال والدابة وطلوع

الشمس من مغربها ونزل عیسی بن مریم ﷺ و یا جوج وما جوج وثلاثه خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرة العرب وآخر ذلك نار تخرج من الیمن تطرد الناس إلى محشرهم ''

جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں قیامت نہ ہوگی، پھر آپ نے ان کا بترتیب ذکر فرمایا: (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابہ (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) عیسی بن مریم ﷺ کا نازل ہونا (۶) یاجوج و ماجوج کا نکلنا (۷) تین جگہ زمین کا دھنس جانا، ایک مشرق میں (۸) ایک مغرب میں (۹) اور ایک جزیرہ عرب میں (۱۰) اور سب سے آخر میں اس آگ کا ذکر کیا جو یمن سے برآمد ہوگی اور لوگوں کو ہانک کر ان کے محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم: ۲۲۲۵/۴-۲۲۲۷ ح ۲۹۰۱، واللفظ لہ، مسند احمد: ۶/۴، ۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۰/۱۵، ۱۶۳ وعنہ ابن ماجہ: ۴۰۴۱، وکذا ابوداود: ۴۳۱۱، سنن ترمذی: ۲۱۸۳، السنن الکبری للنسائی کما فی تحفۃ الاشراف: ۲۰/۳، مسند الحمیدی نسخہ (دیوبندیہ: ۸۲۷) مسند ابی داود الطیالسی: ۱۰۶۷، صحیح ابن حبان: ۶۸۰۴، مشکل الآثار للطحاوی: ۴۱۸/۱ وغیرہم امام ترمذی نے کہا: '' وهذا حديث حسن صحيح ''

(۷) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا: آپ دنیا و آخرت میں نبی ﷺ کی زوجۂ حیات، امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور انتہائی جلیل القدر مؤمنہ صحابیہ فقیہ تھیں، آپ کی روشن سیرت اور مناقب پر ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے، آپ ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

'' إن يخرج الدجال وأنا حي كفيتكموه ...... حتى يأتي الشام ، مدينة بفلسطين بباب لدّ فينزل عيسى بن مريم فيقتله ثم يمكث عيسى في الأرض أربعين سنة اماماً عادلاً وحكماً مقسطاً ''

اگر دجال نکلے اور میں زندہ ہوں تو میں تمہارے لئے کافی ہوں...... حتی کہ وہ شام فلسطین کے ایک شہر لد کے دروازے کے پاس آئے گا، پھر عیسی بن مریم نازل ہوں گے، پس وہ اسے قتل کر دیں گے، اس کے بعد وہ زمین میں چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔

(مسند احمد: ۷۵/۶ ح ۲۴۹۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۴/۱۵، صحیح ابن حبان: ۶۷۸۳، الدر المنثور: ۲۴۲/۲ واللفظ لہ) اس کی سند حسن ہے۔ (کما حققتہ فی تخریج النھایۃ فی الفتن والملاحم مخطوطہ ص ۱۲۱ ح ۲۶۶ یسر اللہ لنا طبعہ)

حافظ ہیثمی نے کہا:

'' رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير الحضرمي بن لاحق وهو ثقة '' (مجمع الزوائد: ۳۳۸/۷)

(۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: آپ مشہور فقیہ اور بدری صحابی ہیں، حافظ ذہبی نے کہا:

'' الإمام الربـاني ...... صاحب رسول الله ﷺ وخادمه وأحد السابقين الأولين ومن كبـار البـدريين ومن نبلاء الفقهاء و المقرئين كان ممن يتحرى في الأداء ويشدّ د في الرواية ويزجز تلامذته عن التهاون في ضبط الألفاظ ''

آپ امام ربانی، صحابیٔ رسول اور آپ ﷺ کے خادم تھے، آپ سابقین، اولین اور بڑے بدری صحابہ میں سے تھے، آپ شریف فقہاء اور قاریوں میں سے تھے۔ اور روایتِ حدیث میں سختی برتتے تھے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ کے یاد کرنے میں لاپرواہی پر سخت جھڑکتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۳، ۱۴)

آپ فرماتے ہیں کہ:

نبی ﷺ کو جب معراج ہوئی تو آپ نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی اور باہم قیامت کا تذکرہ ہوا سب نے ابراہیم (علیہ السلام) سے قیامت کے بارے میں سوال کیا، لیکن انہیں کچھ معلوم نہ تھا، پھر موسیٰ (علیہا السلام) سے سوال کیا تو انہیں بھی کوئی علم نہ تھا، تو پھر عیسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

'' قد عهد إلى فيما دون وجبتها فأما وجبتها فلا يعلمها إلا الله ، فذكر خروج الدجال قال :فأنزل فأقتله فيرجع الناس إلى بلادهم ...... الخ ''

میرے ساتھ قیامت سے قبل (نزول کا) وعدہ کیا گیا ہے، لیکن اس کا وقت اللہ کو ہی معلوم ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کے ظہور کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اسے قتل کروں گا، پس لوگ اپنے اپنے شہروں کو لوٹیں گے......الخ''

(سنن ابن ماجہ:۴۰۸۱ واللفظ لہ، وقال البوصیری:''هذا إسناد صحيح رجاله ثقات'' مسند احمد:۱/۳۷۵ ح ۳۵۵۶ مصنف ابن ابی شیبہ:۱۵/۱۵۸) اور امام حاکم نے کہا:'' هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه '' اور حافظ ذہبی نے کہا:''صحیح'' سعید بن منصور وابن المنذر وابن مردویہ والبیہقی فی البعث والنشور کمافی الدر المنثور:۵/۲۱۵)

یہ سند حسن ہے، اس کے راوی مؤثر بن غفارہ کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۵/۱۴۶۳) اور امام العجلی نے کہا: '' من أصحاب عبدالله ثقة '' (تاریخ الثقات:۱۶۴۹) حاکم، ذہبی اور بوصیری نے تصحیح کے ساتھ اس کی توثیق کی۔

(۹) مُجمِّع بن جاریہ رضی اللہ عنہ: آپ صحابی ہیں (تقریب:۶۴۸۹) آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' يقتل ابن مريم الدجال بباب لد '' ابن مریم (علیہا السلام) دجال کو لدّ کے دروازے کے پاس قتل کریں گے

(سنن ترمذی:۲۲۴۴، وعنہ ابن الاثیر فی اسد الغابۃ:۴/۲۹۱، وکذا مسند احمد:۳/۴۲۰ ح ۱۵۵۴۵–۴/۲۲۶ ح ۱۸۱۵۲ ۳۹۰ ح ۱۹۷۰۷، مصنف عبدالرزاق:۲۰۸۳۵، وعنہ احمد والطبرانی فی الکبیر:۱۹/۴۴۳ ح ۱۰۷۵، وکذا مسند الحمیدی نسخہ

دیوبندیہ: ۸۲۸ وعنہ الطبرانی: ۱۹/۴۴۴ ح ۱۰۷۸، وکذا مصنف ابن ابی شیبۃ نسخہ جدیدۃ: ۵۰۰/۷ ح ۳۷۵۳۴، صحیح ابن حبان: ۶۷۷۲ واللفظ لہ المعجم الکبیر للطبرانی: ۴۴۳/۱۹ ح ۱۰۷۵-۴۴۵ ح ۱۰۸۱، المؤتلف والمختلف للدارقطني: ۴۳۸/۱-۴۳۹، شرح السنۃ للبغوي: ۶۴/۱۵) من طرق عن الزہري عن ابن ثعلبۃ عن ابن جاریۃ عن مجمع بہ، امام ترمذي نے کہا: ''**ھذا حدیث صحیح**'' اور بغوی نے اس کی موافقت کی)

یہ سند حسن ہے امام حاکم نے اس سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی (المستدرک: ۱۹۳/۱) اور اسے صحیحین کی شرط پر صحیح کہا، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ زہری نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے اور اس کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔

(۱۰) عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ: آپ صحابی ہیں، حافظ ابن حجر نے کہا: ''**صحابي، بایع تحت الشجرۃ**'' (تقریب: ۳۶۳۸) آپ بیعتِ رضوان میں شامل تھے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' ...... **ثم ینزل عیسی بن مریم مصدقاً بمحمد ﷺ علٰی ملتہ إماماً مھدیاً وحکماً عدلاً فیقتل الدجال** ...... ''

پھر عیسی بن مریم (علیہما السلام) محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے آپ کی ملت پر امام مہدی اور حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، پس وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔ (المعجم الأوسط: ۲۹۳/۵ ح ۴۵۷۷)

حافظ ہیثمی نے کہا:

'' **رواہ الطبراني في الکبیر والأوسط ورجالہ ثقات وفي بعضھم ضعف لا یضر** ''

یعنی اسے طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور بعض میں ضعف ہے جو مضر نہیں ہے، انتہی۔ (مجمع الزوائد: ۳۳۶/۷)

یاد رہے کہ عیسی بن مریم علیہما السلام امام مہدی ہیں، مگر امتِ مسلمہ کا امام مہدی دوسرا شخص ہے، جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے یہی مضمون ص ☆☆☆

یہ تو تھیں چند صحیح یا حسن روایات، ان کے علاوہ متعدد صحابہ سے نزولِ مسیح کی روایات آئی ہیں۔ مثلاً

الف: واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ

(اخرجہ الحاکم في المستدرک: ۴۲۸/۴ وصححہ ووافقہ الذہبي وضعفہ الہیثمي في المجمع: ۳۲۸/۷)

ب: ابوامامہ رضی اللہ عنہ

(حلیۃ الاولیاء: ۱۰۸/۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷، سنن ابی داود: ۴۳۲۲ مختصراً جداً)

ج: عثمان بن ابی العاص

(مسند احمد: ۲۱۷/۴ ح ۱۸۰۶۰، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۳۶/۱۵، ۱۳۷، مستدرک: ۴۷۸/۴)

د: ثوبان رضی اللہ عنہ

(سنن النسائی: ۴۲/۶، مسند احمد: ۲۷۸/۵ ح ۲۲۷۵۹، التاریخ الکبیر: ۷۳/۶، السنن الکبری للبیہقی: ۱۷۷/۹، الکامل لابن عدي: ۵۸۳/۲)

مختصر یہ کہ نزول مسیح کی احادیث متواتر ہیں، لہذا ان سے قطعی، حتمی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

﴿آثار صحابہ ومن بعدھم﴾

بے شمار صحابہ سے رفع اور نزولِ مسیح کا عقیدہ ثابت ہے، مثلاً

الف: ابوہریرہ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۵/۱۵، ۱۵۷)

ب: عمر (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۳/۱۵، ۱۴۴، الفتن لنعیم بن حماد: ۱۴۹۷)

ج: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم اجمعین (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۴/۱۵، الفتن لنعیم: ۱۵۳۸) وغیرہم

اور یہی عقیدہ تابعین ومن بعدھم سے ثابت ہے، مثلاً

الف: طاووس (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۳)

ب: محمد بن سیرین (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸/۱۵)

ج: ابراہیم [النخعی] (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۵/۱۵) وغیرہم، رحمہم اللہ

خلاصہ: اس مضمون میں جو آیات، احادیث اور آثار ذکر کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱: عیسی علیہ السلام قتل نہیں کئے گئے بلکہ انہیں اللہ تعالی نے آسمان پر اٹھالیا (ص)

۲: عیسی علیہ السلام کی موت سے پہلے تمام اہلِ کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ (ص) یعنی ابھی تک ان پر موت نہیں آئی ہے۔

۳: عیسی علیہ السلام کا ''نزول'' قیامت کی نشانی ہے۔ (ص)

۴: عیسی علیہ السلام نازل ہوں گے۔

۵: آپ کا نزول آسمان سے ہوگا۔ (ص)

۶: آپ حاکم عادل ہوں گے۔

۷: آپ صلیب کو توڑ دیں گے۔

۸: خنزیر کو ہلاک کر دیں گے۔
۹: مال کو بہا دیں گے حتیٰ کہ کوئی بھی اسے قبول نہیں کرے گا۔
۱۰: جنگ، خراج اور جزیہ کو ختم کر دیں گے۔
۱۱: آپ کے دور میں عداوت، بغض اور حسد ختم ہو جائیں گے۔
۱۲: جوان اونٹوں کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔
۱۳: آپ حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے، اور روحاء کی گھاٹی سے گزریں گے۔
۱۴: آپ کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ وسفید ہے اور بال سیدھے ہیں۔
۱۵: آپ دمشق کے مشرق کی طرف سفید منارہ پر دو فرشتوں کے پروں پر دو زرد کپڑے پہنے ہوئے اتریں گے۔
۱۶: آپ کے سانس کی خوشبو جس کافر تک پہنچے گی، وہ مر جائے گا، آپ کے سانس کی خوشبو تاحدِ نظر جائے گی۔
۱۷: جب آپ نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امام (مہدی) ان کے اندر موجود ہوگا۔
۱۸: آپ دجال کو ''لدّ'' کے مقام پر قتل کر دیں گے۔
۱۹: آپ کے دور میں اسلام کے علاوہ سارے مذاہب (مثلاً یہودیت، عیسائیت، ہندوازم وغیرہ) ختم ہو جائیں گے۔
۲۰: زمین میں امن واقع ہوگا، اونٹ شیر کے ساتھ، چیتے اور گائیں، بھیڑیے اور بکریاں اکٹھا چریں گی، بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے، وہ انہیں نقصان بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔
۲۱: آپ زمین میں چالیس برس رہیں گے۔
۲۲: پھر آپ فوت ہو جائیں گے، مسلمان آپ کا جنازہ پڑھیں گے اور آپ کو دفن کر دیں گے۔
۲۳: آپ کی صورت مبارکہ سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشابہ ہے۔

ان علامات سے معلوم ہوا کہ مسیح عیسیٰ بن مریم ناصری علیہ السلام ابھی تک نازل نہیں ہوئے اور نہ ''دجال اکبر'' کا ظہور ہوا ہے، جب کانا دجال ظاہر ہوگا تو عیسیٰ بن مریم ﷺ آسمان سے نازل ہوں کر اسے قتل کر دیں گے، لہذا جو شخص آپ کے نزول سے پہلے تکذیبِ احادیث، تاویلات اور باطنیت کے زور سے مسیح موعود ہونے کا دعویدار ہے وہ کافر کذاب اور دجال ہے، ایسے شخص کے ہتھکنڈوں اور چالوں سے بچنا ہر مسلم پر فرض ہے۔

ایک کذاب کا تذکرہ: ماضی قریب میں ہندوستان (پنجاب) میں ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی گزرا ہے، اس شخص نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے مجدد، مسیح موعود، نبی تابع اور نبی مستقل کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے مخالفین کو کافر قرار دیا، علمائے مسلمین مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی، مولانا سید نذیر حسین الدہلوی، الشیخ عبدالجبار غزنوی الامام ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے مقلدین (چاہے نبی سمجھیں یا مجدد، مصلح وغیرہ) کو

بالاتفاق کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج کر دیا، بٹالوی صاحب وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مرزا پر فتویٰ کفر لگایا تھا۔ مرزا قادیانی نے صرف آپ کو ہی ''اول المکفرین'' کا لقب دیا (تحفۂ گولڑویہ از مرزا غلام احمد قادیانی ص ۱۲۱ ط قادیان ۱۹۱۴ء بحوالہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ) بٹالوی صاحب کا فتویٰ ''دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور'' نے زیورِ طبع سے آراستہ کر کے شائع کر دیا ہے۔

چونکہ اس مختصر مضمون میں متنبّی کذاب مرزا احمد قادیانی اور اسکی (قادیانی لاہوری) پارٹی کی کفریات وخیانتیں جمع کرنے کا موقع نہیں ہے، جو شخص تفصیل چاہتا ہے وہ امام امرتسری، امام عبداللہ معمار امرتسری کی محمدیہ پاکٹ بک اور الامام الاستاذ المحقق الشہید احسان الٰہی ظہیر کی لاجواب کتاب ''القادیانیۃ'' وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کرے، اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے کہ مرزا قادیانی اور اسکی (لاہوری یا قادیانی) پارٹی کافر، مرتد اور خارج از دائرہ اسلام ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اپنے اس مختصر مضمون کی مناسبت سے آپ کے سامنے اس جھوٹے نبی اور خودساختہ مسیح موعود کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے:

'' والقسم يدل علىٰ أن الخبر محمول على الظاهر ، لا تأويل فيه ولا استثناء والإفأي فائدة كانت في ذكر القسم فتدبر كالمفتشين المحققين ''

اور قسم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خبر (پیش گوئی) ظاہر پر محمول ہے، اس میں نہ تو تاویل ہے اور نہ استثناء، ورنہ پھر قسم کے ذکر کرنے میں کیا فائدہ ہے، پس غور کر تفتیش وتحقیق کرنے والوں کی طرح۔ (حمامۃ البشریٰ ص ۱۵ نسخہ قدیمہ)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ الامام المعصوم، الصادق المصدوق محمد رسول اللہ، خاتم النبیین ﷺ نے قسم اٹھا کر (والذی نفسی بیدہ ونحوہ) یہ پیشین گوئی فرمائی کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے (دیکھئے یہی مضمون ص وغیرہ) باعترافِ مرزا۔ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے، اس میں نہ تاویل کی جائے گی اور نہ استثناء، لہذا فرقہ قادیانیہ کا نزولِ مسیح کی صحیح ومتواتر احادیث کی باطنی تاویلات کرنا خود انکے ''خودساختہ نبی'' کی تحقیق کے مطابق بھی باطل اور کذب بیانی ہے، لہذا ان کے پاس اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

ایک عجیب اعتراض: بعض لوگوں نے نزولِ مسیح کی متواتر احادیث میں انتہائی معمولی اختلاف کی وجہ سے اسے روایت بالمعنیٰ قرار دے کر رد کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً

الف : والذی نفسي بیده	اور	والله
ب : حكماً عدلاً	اور	حكماً مقسطاً
ج : لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم	اور	لینزلن ابن مریم وغیره

جواب نمبر ۱......: جمہور کے نزدیک اگر راوی عالم، فقیہ، عارف بالالفاظ ہو (مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) تو اس

کی روایت بالمعنی بھی جائز ہے (یعنی صحیح) ہے۔ (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ح ۲۲۶ الاحکام للآمدی: ۱۱۵/۲ وغیرہما)

جواب نمبر۲......: نبی ﷺ نے کبھی فرمایا: والذی نفسي بیده اور کبھی واللہ (وغیرہ) لہذا راوی نے دونوں (یا اکثر) طرح سنا اور یاد رکھا، اور کبھی ایک طرح اور کبھی دوسری طرح بیان کر دیا، آخر اس میں گناہ ہی کیا ہے؟

جواب نمبر۳......: نزولِ مسیح کی روایات اس پر متفق ہیں کہ عیسی بن مریم نازل ہوں گے دجال کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے وغیرہ، تو کیا روایات کے ''خورد بینی'' اختلاف کی وجہ سے اس متفق علیہ متن کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے گا۔ مثلاً

ایک قابل اعتماد ذریعہ سے خبر ملی: ''کشمیری مجاہدین کا ہندوستان فوج پر حملہ......دس فوجی ہلاک''

دوسرا قابل اعتماد ذریعہ: ''سری نگر میں قابض فوج اور مجاہدین میں جھڑپ......دس ہندوستانی مارے گئے''

تیسرا قابل اعتماد ذریعہ: ''حریت پسندوں اور غاصب ہندو فوج میں شدید مقابلہ......دس فوجی نیست و نابود اور متعدد زخمی''

کیا یہ تین خبریں سن کر کوئی ہوش مند اعلان کر دے گا کہ: چونکہ روایات میں اختلاف ہے، لہذا نہ کوئی جھڑپ ہوئی ہے اور نہ کوئی مارا گیا ہے؟ ظاہر ہے ایسا اعلان کرنے والے ''ہر ہوش مند'' کی جگہ پاگل خانہ ہی ہوسکتا ہے۔

جواب نمبر۴......: قرآن مجید میں ہے:

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً (البقرہ:۶۰) فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً (الاعراف:۱۶۰)

اسکی اور بھی مثالیں ہیں، بہرحال ثابت ہوا کہ اگر مفہوم ایک ہو تو الفاظ کا اختلاف جائز ہے۔

جواب نمبر۵......: ان احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہے، اور امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، لہذا بعض روایات میں الفاظ کا یہ انتہائی معمولی اختلاف چنداں مضر نہیں ہے۔

جواب نمبر۶......: فقہاء و محدثین میں یہ اصل متفق علیہ ہے، کہ عدم ذکر، نفی ذکر پر مستلزم نہیں ہوتا، حافظ ابن حجر نے کہا:

'' ولا یلزم من عدم الذکر الشيء عدم وقوعه ''

یعنی: کسی چیز کے عدم ذکر سے اس چیز کا عدمِ وقوع لازم نہیں ہوتا۔ (الدرایہ: ۲۲۵/۱)

مزید تحقیق کے لئے کتبِ اصول کا مطالعہ کریں۔

ابوالخیر اسدی کا تعارف : راقم الحروف نے ابوالخیر مذکور کی کتاب ''اسلام میں نزول مسیح کا تصور'' شروع سے آخر تک پڑھی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص جاہل، کذاب، افاک اور مغالطہ باز ہے، یہ شخص پکا منکرِ حدیث ہے یہ اپنی کتاب کے ص ۸ پر لکھتا ہے: ''امام دارقطنی اور محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ صحیحین کو تلقی بالقبول کا مقام حاصل ہے، اس سے وہ احادیث مستثنی ہیں جن پر بعض قابلِ اعتماد محدثین کی طرف سے گرفت ہوچکی ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بخاری میں نزول مسیح کی وہ روایتیں جو ابن شہاب زہری سے مروی ہیں ان پر چونکہ بعض ائمہ حدیث قدح

کر چکے ہیں اس لئے ایسی مقدوح حدیثوں پر کسی اہم عقیدے کی بنیاد استوار نہیں ہوسکتی''
تو عرض ہے کہ محدث ابن الصلاح وغیرہ چند احادیث کے استثناء کے ساتھ صحیحین کو (امت کا بالا جماع) تلقی بالقبول کا درجہ دیتے ہیں، لہذا صحیحین کی تمام روایات جن پر کسی قابل اعتماد محدث کی طرف سے گرفت نہیں کی گئی ہے، صحیح اور قطعی ہیں، صرف وہ احادیث مستثنیٰ ہیں، جن پر کسی قابل اعتماد محدث کی طرف سے گرفت ہو چکی ہے (اگرچہ ہماری تحقیق کے مطابق ان میں بھی حق بخاری ومسلم ومن معہما کے ساتھ ہی ہے) رہا اسدی صاحب کا قول کہ: ''ہم بھی یہی کہتے ہیں.....نہیں ہوسکتی''
تو ہم واضح الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ صحیحین کی وہ روایتیں جو ابن شہاب زہری سے مروی ہیں، ان پر کسی امام اور قابل اعتماد محدث نے گرفت وقدح کی ہے؟ پورا پورا اور صحیح صحیح حوالہ چاہئے ورنہ پھر اسدی صاحب کے کذاب ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اسدی صاحب کے قول: ''ان پر چونکہ بعض ائمہ حدیث قدح کر چکے ہیں اس لئے ایسی مقدوح حدیثوں پر.....'' میں ''ان'' سے مراد ''احادیث'' ہیں، جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے، اور مقدوح ''قدح'' کے الفاظ بھی اس پر واضح دلالت کر رہے ہیں۔
اگر وہ صحیحین کی ان احادیث پر کسی ایک امام یا محدث کی قدح وگرفت ثابت نہ کر سکے، تو اسے علی الاعلان توبہ کرنی چاہئے، ورنہ یاد رکھنا چاہئے کہ: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ　بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے
اسی کتاب کے ص ۹۴ تا ۹۷ پر یہی شخص ''زہری سے ہمارے اختلاف کی تیس وجوہات'' کا عنوان باندھ کر کذب وفریب کا خومار پھیلا دیتا ہے، مثلاً
''۱۳: نبی کریم ﷺ کی طرف غیر واقع اقوال منسوب کرنے میں نہایت بے باک اور آخرت کی باز پرس سے بے پرواہ معلوم ہوتے ہیں''
''۲۲: بعض صحابہؓ سے انہیں خدا واسطے کا بیر ہے''
''۳۰: رائی کا پربت بنانا ان کا فن تھا جو درحقیقت کذب ہی کی ایک قسم خفی ہے'' وغیرہ وغیرہ
حالانکہ امام زہری پر یہ اور اس جیسے دوسرے الزامات کسی ایک بھی امام حدیث یا محدث سے بالکل ثابت نہیں ہیں، اسدی صاحب اور اسکی پارٹی کو چیلنج ہے کہ ان اقوال میں سے صرف ایک ہی کسی قابلِ اعتماد محدث (مثلاً مالک، شافعی احمد، بخاری، مسلم، ابوداود، ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہم) سے ثابت کر دیں! ودونہ شرط القتاد
گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے، کہ امام زہری، نزولِ مسیح کی احادیث میں منفرد نہیں ہے، بلکہ ایسی بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں، جن کا کوئی راوی امام زہری نہیں اور وہ نزولِ مسیح پر صاف دلالت کرتی ہیں، مثلاً دیکھئے ص　وغیرہ
آخر میں صحیح بخاری کی کتاب ''فضائل الصحابہ'' سے امام زہری کی بعض مرویات کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے۔

۱: فضل ابی بکر (رضی اللہ عنہ)	۳-احادیث
۲: مناقب عمر (رضی اللہ عنہ)	۵-احادیث
۳: مناقب عثمان (رضی اللہ عنہ)	۱-حدیث
۴: مناقب علی (رضی اللہ عنہ)	×
۵: فضل عائشہ (رضی اللہ عنہا)	۱-حدیث
۶: ذکر ھند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا)	۱-حدیث

قارئین: فیصلہ کریں کہ کیا ایک شیعہ راوی، ابوبکر وعمر وعائشہ وھند رضی اللہ عنہم اجمعین کے مناقب میں تو احادیث روایت کرتا ہے، مگر علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ایک بھی نہیں! لہذا یہ ثابت ہوا کہ امام زہری شیعہ نہیں تھے، بلکہ اہل سنت کے انتہائی جید امام تھے، اسدی کا کذب وافتراء کی بنیاد پر پندرھویں صدی میں انہیں شیعہ کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے ،اوراگر وہ توبہ کے بغیر مرگیا تو: سیعلم الذین ظلموا أي منقلب ینقلبون

عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ انہیں کس کروٹ لٹایا جاتا ہے

وماعلینا الا البلاغ

(۲۲ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲ جنوری ۱۹۹۲ء)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام

شیخ محمد رئیس ندوی

خطبہ کتاب وتمہید

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ با لله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله فإن أصدق الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار ، أما بعد فأعوذ با لله السميع العليم من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم ، ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَاءً ج وَاتَّقُوْاللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَان عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ (النسآء:۱)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْ تُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ا تَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْ قَوْلاً سَدِيْدًا o يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَفَوْزاً عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۷۰،۷۱)

بسم الله الرحمن الرحيم :﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ط o فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ ع o﴾ وصلى الله تعالى وسلم على جميع الأنبياء والمرسلين خصوصاً على خاتم النبيين وسيد المرسلين محمد وآله وأصحابه وذرياته وأتباعه إلى يوم الدين ،

حضرات اہل اسلام : میں نے اوپر خطبۂ مسنونہ لکھا اس خطبۂ مسنونہ میں چار آیات قرانیہ بھی ہیں اور آخر میں مَیں نے پوری سورۂ کوثر بھی لکھ دی ہے جس کا میری اس زیر نظر کتاب سے بہت گہرا تعلق ہے یعنی دورانِ نماز بحالت قیام رکوع سے پہلے نمازی کو اس سورۂ مبارکہ میں بائیں ہاتھ پہ داہنے ہاتھ کو رکھ کر سینے پر دونوں

---

(۱) میری تحقیق میں یہ خطبہ باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ایک سند میں ابواسحاق السبیعی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے۔دوسری سند ابوعبیدہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وجہ سے منقطع ہے۔دیکھئے نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داوٗد: ۲۱۱۸ زبیر علی زئی

ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ سے لے کر رکوع سے پہلے تک باندھے رکھنا چاہئے اسی طرح نماز کی ہر رکعت میں بحالت قیام کرنا چاہئے ان قرآنی آیات میں لوگوں کو تقوی شعاری واطاعتِ الٰہی ومتابعت نبوی اور سچی پکی ٹھوس بات نرمی کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیاتِ کریمات سے پہلے یہ مومن کو ہدایت کی گئی ہے کہ شریعت نے دین سے متعلق جس کام کو کرنے کا حکم نہیں دیا ہے وہ بدترین چیز اور سراسر بدعت وضلالت ہے اور اس کے مرتکب کو جہنم رسید کرنے والا ہے کیونکہ ہمارے آخری رسول محمد ﷺ کا طور طریق ہی بہتر وعمدہ طور طریق ہے اس کے خلاف ہر طور طریق بدترین قسم کی بدعت وضلالت ہے اور سب سے سچی، بہتر، عمدہ بات قرآن مجید کی باتیں ہیں۔ ہم اسی اللہ اور اس کے تمام انبیاء ورسول بشمول آخری نبی ورسول محمد ﷺ پر ایمان رکھتے اور ان پر اور ان کے اطاعت شعار صحابہ وتابعین وتبعین واہل بیت پر درود وسلام بھیجتے ہیں ہم اللہ وحدہ لاشریک کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ اسی سے مدد ومغفرت طلب کرتے اور اپنے نفوس وبد اعمال کے شرور سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں وہ جسے راہ حق پر چلائے اسے کوئی بہکا کر غلط راستے پر نہیں لاسکتا اور وہ جسے گمراہ کردے اسے کوئی راہ یاب نہیں کرسکتا۔

دس سالوں سے بھی طویل عرصہ گذرا کہ میں نے نماز سے متعلق متعدد ومعرکۃ الآراء اختلافی مسائل پر ایک مفصل کتاب لکھی تھی جسے ایک بڑے سرمایہ دار مولانا صاحب چھپوانے کا وعدہ کر کے لے گئے مجھے اس کتاب کی نقل کا بھی موقع نہ مل سکا کیوں کہ مولانا مذکور نے کہا کہ بہت جلد ہی یہ طبع ہوجائے گی مگر افسوس کہ یہ کتاب تاہنوز نہیں چھپ سکی اور یہ خبر دی گئی کہ اس کا مسودہ غائب ہوگیا۔ بہت ساری جگہوں خصوصاً برطانیہ اور پاکستان اور ہندوستان کے بہت سارے عوام وخواص نے بذریعہ فون وخطوط بہ زوردار مطالبہ کیا کہ اگر اس کتاب کے جملہ مشتملات نہیں تو کم از کم نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کے مقام کا تعین کی جائے اور اس پر مفصل تحقیقات پیش کی جائیں بہرحال اپنی علالت اور مشغولیات کے باوصف مجھے اس کام پر توجہ دینی پڑی باوجودیکہ میرے پاس کتابوں کا بہت ہی ناکافی ذخیرہ ہے اور مانگنے سے بھی کتابوں کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے پھر بھی لوگوں کے مطالبہ پر توجہ دیئے بغیر چارہ نہیں رہتا اور کسی نہ کسی طرح مجھے مطلوبہ موضوع پر کتاب لکھنی ہی پڑتی ہے پھر اس کی طباعت کا معاملہ درپیش ہوتا ہے کسی طرح کتاب چھپ جائے تو ہدیۃً ''وتحفۃً'' کتاب طلب کرنے والوں کا حجم گھٹا ہوتا ہے دریں صورت میں اپنی اس جاں گسل بیماری میں اپنے کو بہت پریشان پاتا ہوں اور لاکھوں پریشانیوں کے باوصف مجھے کسی نہ کسی طرح لوگوں کے مطالبات پورے ہی کرنے پڑتے ہیں۔

نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو باندھنا تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے:

نماز اسلام وایمان کا ایسا رکن وفریضہ ہے جسے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر فرض کیا گیا تھا اس کی

تفصیل جاننے کے لئے امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب (۱) '' **تعظیم قدر الصلوة** '' کا مطالعہ کافی وشافی ہوگا۔

دوران نماز بحالت قیام رکوع سے پہلے اور تکبیر کے وقت بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کا باندھنا یا رکھنا تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر مشروع رہا خصوصاً خاتم النبیین وسید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے تمام نمازیوں کو صیغۂ امر کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے جو اصلاً وجوب وافتراض کا معنی ومفہوم دیتا ہے مگر کوئی شرعی قرینۂ صارفہ اسے وجوب وافتراض کے معنی سے پھیر کر دوسرے معنی کی طرف لے جائے تو دوسرے معنی میں اسے مانا جاسکتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد ومعتبر احادیث میں اسے سنت کہا گیا ہے اس لئے ہم تمام نصوص پر نظر رکھتے ہوئے اسے سنت موکدہ قرار دیتے ہیں جو احناف کے مصطلح وجوب سے قریب تر ہے۔اس قسم کی احادیث صفحات آئندہ میں آتی رہیں گی۔

۱۔امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند معتبر نقل کیا ہے کہ:'' **عن إبن عباس أن رسول الله ﷺ قال إنا معشر الأنبیاء أمرنا أن نؤخر سحورنا ونعجّل فطرنا وأن نمسك بایمأننا علی شمالنا فی صلوتنا** ''

یعنی ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہم تمام انبیاء علیہم کرام الصلاۃ والسلام کے گروہ کو حکم دیا گیا ہے کہ روزہ کے لئے سحری کھانے میں تاخیر سے کام لیں اور روزہ افطار کرنے میں تعجیل (بالکل اول وقت) سے کام لیں اور بحالت نماز رکوع سے پہلے والے قیام میں اپنے بائیں ہاتھوں کو داہنے ہاتھ سے پکڑیں۔(صحیح ابن حبان (۲) مطبوع دار الکتب بیروت ۱۹۹۷ء و ۱۴۰۷ھ، رقم الحدیث ۱۷۶۷ ج ۳ ص ۱۳۰، ۱۳۱)

۲۔سیدنا امام حسن بصری سے مروی ہے کہ:

''**قال رسول الله ﷺ کأنی أنظر إلی أحبار بنی إسرائیل واضعي أیمانهم علی شمائلهم فی الصلوة** ''

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں علماء، وفقہاء وائمہ بنو اسرائیل کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز میں اپنے بائیں ہاتھوں پہ داہنے ہاتھوں کو رکھے ہوئے ہیں۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰)

یہ حدیث امام حسن بصری نے رسول اللہ ﷺ سے مرسلاً نقل کی ہے اور امام حسن تک اس کی سند صحیح ہے بلفظ دیگر یہ حدیث مرسل صحیح (۳) ہے۔

....

(۱) یہ کتاب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی الھندی حفظہ اللہ کی تحقیق سے ''مکتبہ الدار بالمدینہ، المنورہ'' سے ۱۴۰۶ھ میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲) صحیح ابن حبان بتحقیقی شعیب الارناووط، اس کی سند صحیح ہے، وصححہ الضیاء المقدسی بروایۃً فی المختارہ (۲۰۹/۱۱ ح ۲۰۰، ۲۰۱) نیز دیکھئے ص ۹

(۳) مرسل روایت، قول راجح میں ضعیف ہوتی ہے۔امام ابن المدینی کے قول ''بہت ہی کم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری کی بعض مرسل روایات ضعیف ہوتی ہیں۔لہذا صحیح یہی ہے کہ ابن ابی شیبہ والی یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔

امام بخاری کے پختہ کار استاذ حدیث امام ابن المدینی نے فرمایا کہ: '' **مرسلات الحسن إذا رواها عنه الثقات صحاح ما أقل ما يسقط منها**''

یعنی امام حسن بصری کی بیان کردہ مرسل احادیث صحیح ہوتی ہیں، بہت ہی کم ان کی مرسل حدیث ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔
(تھذیب التھذیب ج۲ص۲۳۲)

مذکورہ بالا عبارت تھذیب التھذیب اور تھذیب الکمال میں منقول ہے:

''**وقال يونس بن عبيد: سألت الحسن قلت: يا أبا سعيد إنك تقول ـ قال رسول الله ﷺ وإنك لم تدركه؟ قال يا إبن أخي لقد سألتني عن شئ ما سألني عنه احد قبلك ولو لا منز لتك مني ما أخبرتك إني في زمان كما ترى وكان في عمل الحجاج كل شئي سمعته أقول قال رسول الله ﷺ فهو عن علي بن أبي طالب غير أني في زمان لا أستطيع أن أذكر علياً**''

یعنی امام یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے امام حسن بصری سے کہا کہ اے ابوسعید (ابوسعید امام حسن بصری کی کنیت ہے) آپ بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ '' **قال رسول الله ﷺ** '' (یعنی آپ ﷺ نے فرمایا) حالانکہ آپ عہد نبوی میں نہیں تھے؟ امام حسن بصری نے اس کا جواب دیا:

اے میرے بھتیجے تم سے پہلے کسی نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا تھا اگر میری نظر میں تمہارا اتنا اعلی مقام ومرتبہ نہ ہوتا تو میں اس سوال کا جواب نہ دیتا معاملہ یہ ہے کہ میں ایسے زمانے میں ہوں یعنی زمانۂ حجاج بن یوسف میں کہ اپنے اور نبی ﷺ سے اس طرح کی مرسل روایت کرنی ہی پڑتی ہے اصل معاملہ یہ ہے کہ اس طرح کی مرسل روایات کو میں نے سیدنا علی بن ابی طالب سے سماع کیا ہے مگر حجاج کی سخت گیری سے بچنے کے لئے میں اس طرح کی مرسل روایات نقل کر دیا کرتا ہوں۔
(حاشیہ تھذیب التھذیب ج۲ص۲۲)(۱)

اس کا حاصل معنی یہ ہوا کہ معنوی طور پر یہ حدیث متصل ومعتبر ہے اور اس طرح کی مرسل روایت جس کی متابعت کسی مرفوع حدیث سے ہو رہی ہو وہ تمام اہل علم کے نزدیک حجت ودلیل ہے، اس معنی ومفہوم کی متعدد روایات ہیں جن کی تحقیق کی روشنی میں میں نے اپنی مفقود الخبر ضخیم کتاب ''تاریخ یہود'' میں جو پانچ جلدوں میں چار ہزار صفحات پر مشتمل تھی تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔ پھر بھی میری ذکر کردہ احادیث مندرجہ بالا اس امر کا پختہ ثبوت ہیں کہ اہل کتاب: یہود ونصاری کی شریعت میں بوقت نماز بحالت قیام رکوع سے پہلے دونوں ہاتھوں کا باندھنا تمام انبیاء کرام کی بشمول

---

(۱) وتھذیب الکمال (ج۴ص۳۱۶) اس روایت کا راوی ثمامہ بن عبیدہ: ضعیف ومنکر الحدیث ہے (الجرح والتعدیل ۲/۲۶۶ ولسان المیزان ۲/۸۴) لہذا یہ یونس عبید والی روایت ضعیف ومردود ہے۔ حسن بصری سے ثابت ہی نہیں ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کی شریعت میں کم از کم سنت موکدہ رہا ہے اور اس پر عہد نبوی سے لے کر آج تک عام اہل اسلام کا عمل رہا ہے خصوصاً ہم صحابۂ کرام کی بابت اپنی متعدد کتابوں میں متعدد مقامات پر لکھ چکے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں ہمارا عقیدہ و نظریہ یہ ہے کہ وہ نصوص کتاب و سنت پر پوری طرح عمل کرتے تھے اور اس کلیہ سے صرف وہی صحابی مستثنیٰ مانا جائے گا جس کی بابت دلائل معتبرہ سے بخوبی ثابت ہے کہ اس (اجتہاد کرتے ہوئے) نے نص قرآنی یا نص نبوی کے خلاف کوئی دوسرا عمل کیا مگر جب بھی صحابی سے باسانید معتبرہ ثابت ہوا کہ اس نے (اجتہاد اور کسی عذر کی وجہ سے) نص قرآنی و نص نبوی کے خلاف عمل کیا ہم اس صحابی کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہیں گے کہ انہیں اس نص قرآنی و نص نبوی کا کسی بھی سبب سے علم نہیں ہوسکا یا کہ اس صحابی نے نص قرآنی و نص نبوی کا معنی و مطلب صحیح طور پر سمجھنے میں اجتہادی خطا کی اور وہ نص قرآنی و نص نبوی کا حقیقی اور واقعی معنی نہیں سمجھ سکے رضی اللہ عنہ دریں صورت اس صحابی کو معذور و ماجور دونوں سمجھا جائے گا کیوں کہ یہ اجماعی معاملہ ہے کہ جس صحابی نے نص قرآنی و نص نبوی کے خلاف اپنے سمجھے ہوئے معنی پر عمل کیا یا نص قرآنی و نص نبوی کا علم نہ ہونے کے سبب اس نے اپنے عمل کو مطابق نص سمجھا وہ ایک نیکی پانے کا مستحق ہے اور اس کی یہ غلطی قابلِ مواخذہ نہیں بلکہ صحابی کے بعد والے صحیح العقیدہ و صحیح الایمان اہل اسلام کی بابت بھی یہی عقیدہ رکھا جائے گا، گمراہ و ضال آدمی کی بابت البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے نظریات فاسدہ و خیالات باطلہ کے سبب اپنی من مانی ایسا عمل کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں کسی صحابی یا غیر صحابی صحیح الایمان و صحیح العقیدہ نے نصوص کے خلاف عمل نہیں کیا اگر کسی کی طرف نصوص کے خلاف قول و عمل کی بات منسوب ہوگئی تو یہ انتساب معتبر سندوں سے ثابت نہیں اگر بالفرض کسی کی بابت ایسی بات ثابت ہو تو اس پر مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ حاصل یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحیح العقیدہ والایمان اہل اسلام کا اجماعی طور پر آج تک اسی پر عمل چلا آ رہا ہے جس کسی غیر صحیح العقیدہ والایمان نے اس معاملہ میں یا کسی بھی معاملہ میں خلاف نصوص عمل کیا تو اس کا یہ عمل از روئے تحقیق کالعدم اور ناقابل التفات ہے اس طرح کے لوگ خواہ کم ہوں یا بہت زیادہ ہوں وہ ناقابل اعتبار ہیں وہ کسی گنتی و شمار میں نہیں۔

نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے دونوں ہاتھوں کا باندھنا یا رکھنا متواتر المعنی حدیث نبوی و آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے البتہ اس امر میں روایات مختلف ہیں کہ دونوں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے جائیں یا ناف کے اوپر سینہ سے ذرا نیچے یا سینہ ہی پر باندھے جائیں۔ ناف کے نیچے دونوں ہاتھ باندھنے کی کوئی بھی حدیث نبوی یا قول صحابی یا فتوی تابعی (۱) صحیح و معتبر سند سے مروی نہیں ہے بلکہ صحیح طور پر صرف یہ مروی ہے ہمارے رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود سینہ پر یا سینہ سے ذرا نیچے دونوں ہاتھ باندھتے یا رکھتے تھے اور اسی کا حکم بھی اپنے متبعین کو دیتے تھے اور صحابہ کرام و تابعین عظام کا بھی یہ طور طریق رہا اس کے خلاف نہ جانے کب اور کس بنیاد پر ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کا بذریعہ پرپیگنڈہ رواج ہوا بہت سے

اختلاف ونزاع کی طرح یہ مسئلہ بھی دردسر بنا ہوا ہے اور فریقین کے درمیان یہ ایک معرکۃ الآراء نزاعی مسئلہ بن گیا ہے جن احادیث میں اس کی صراحت نہیں کہ دونوں ہاتھ کہاں باندھے جائیں ان کی وضاحت جب احادیث صحیحہ میں آ گئی ہے کہ سینے پر یا سینے سے کچھ نیچے باندھے جائیں تو انہیں پر احادیث متواترہ کو محمول کیا جائے گا۔

((زیر بحث مسئلہ کا ثبوت نص قرآنی سے))

امام بیہقی اور متعدد محدثین کرام نے نقل کیا ہے کہ:

''أخبرنا أبوعبدالله الحافظ: ثنا على بن حمشا د العدل: حدثنا هشام بن علي ومحمد بن أيوب قالا حدثنا موسى بن إسماعيل: ثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدرى عن عقبة بن صهبان عن على بن ابى طالب رضى الله عنه ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ قال: هو وضع يمينك على شمالك فى الصلوة''

یعنی خلیفہ راشد سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآنی آیت ''فصل لربک وانحر'' کا معنی ومطلب یہ ہے کہ نماز میں بحالت قیام داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے (سنن بیہقی ج۲ص۲۹ ومتعدد کتب حدیث)

اس حدیث کی سند حماد بن سلمہ تک کئی معتبر طرق سے مروی ہے اس لئے حماد سے پہلے والے راویوں کی توثیق وتعدیل پر بحث کی ضرورت نہیں اور حماد بن سلمہ صحیح مسلم ومتعدد کتب حدیث کے ثقہ رواۃ میں سے ہیں (عام کتب رجال) اور عاصم جحدری بھی ثقہ ہیں (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج۶ص۳۴۹ ولسان المیزان ج۳ص۲۲۰ ترجمہ ۹۶۸ وغیرہ) اور عاصم جحدری نے یہ حدیث عقبہ بن صہبان (۱) سے نقل کی جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب وتہذیب التہذیب ج۷ص۳۱۵) اور عقبہ بن صہبان نے اسے خلیفہ راشد امیر المؤمنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے لہذا باعتبار سند ومتن یہ حدیث صحیح ہے اور مرفوع یعنی حدیث نبوی کا حکم رکھتی

(۱) عاصم جحدری کی عقبہ بن صہبان سے ملاقات میں نظر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں کے درمیان العجاج الجحدری کا واسطہ ہے، دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۶/۴۳۷) اور العجاج مجہول الحال ہے، دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' ص۳۳، عاصم کی عقبہ سے سماع کی تصریح کسی روایت میں نہیں ملی، المزید فی متصل الاسانید کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ اس روایت کی بعض سندوں میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ بھی آئے ہیں (التمہید ۲۰/۷۸) ابن الترکمانی حنفی لکھتے ہیں: ''وفی سندہ ومتنہ اضطراب'' اور اس کی سند اور متن میں اضطراب ہے (الجوہر النقی ۲/۳۰) یہ عام طالب علم بھی جانتے ہیں کہ اضطراب والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ ابن الترکمانی پر رد کے لئے دیکھئے یہی مضمون ص۲۲، ۲۳

ہے کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی صحابی خصوصاً کوئی خلیفۂ راشد کسی قرآنی آیت کی تفسیر من مانی اپنے قیاس ورائے سے کرے اِلّا یہ کہ جس تفسیر صحابی کے خلاف نص قرآنی یا نص نبوی اس طرح مروی ہو کہ دونوں کے درمیان تطبیق وتوثیق ناممکن ہو جائے۔

۴۔'' **قال الإمام ابن أبي شيبة :حدثنا وكيع :حدثنا يزيد بن زياد بن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ قال وضع اليمن على الشمال في الصلوة**''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۹۰ ح ۳۹۴۱)

یعنی سند مذکورہ سے مروی ہے کہ خلیفۂ راشد سیدنا علی مرتضی نے فرمایا کہ سورۂ کوثر کے مذکورہ الفاظ کے معنی ہیں کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھنا چاہئے۔ نیز ملاحظہ ہو سنن دارقطنی ج ا ص ۲۸۵ مع التعلیق المغنی وتفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۲۱۰)

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کی سند اپنے سے پہلی حدیث کی سند سے مختلف ہے اور معنی یکساں ہے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے اسے نقل کرنے والے عقبہ بن ظہیر ہیں جن کو عقبہ بن ظبیان بھی کہا جاتا ہے (الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۳۱۳) یعنی کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرنے میں عقبہ بن ظہیر بن ظبیان نے عقبہ بن صھبان کی متابعت کی ہے دونوں کی ایک دوسرے کی متابعت سے اس حدیث کا پایۂ اعتبار بڑھ گیا ہے۔

۵۔'' **قال الإمام ابن جرير :حدثنا ابن بشار قال :ثنا عبد الرحمن بن مهدي قال :حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظبيان عن أبيه عن علي بن أبي طالب ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال :وضع اليد على اليد في الصلوة**''

یعنی سند مذکورہ سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر بتلاتے ہوئے کہا کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے ایک ہاتھ یعنی بائیں ہاتھ پر دوسرا ہاتھ یعنی داہنا ہاتھ رکھنا ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۳۰ ص ۳۱۰)

اس حدیث کی سند بھی معتبر ہے اور اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عقبہ بن ظبیان یا عقبہ بن ظہیر نے اپنے باپ سے نقل کر رکھا ہے یعنی کہ اس حدیث کو سیدنا علی سے عقبہ نے بھی نقل کیا ہے اور ان کے باپ ظبیان یا ظہیر نے بھی نقل کیا ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ایک راوی کوئی حدیث اپنے باپ سے روایت کرتا ہے پھر اسے وہ اپنے باپ کے استاد سے بھی نقل کرنے کا موقع پا جاتا ہے تو اس اعتبار سے اس حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں تین ثقہ رواۃ (راویوں) نے ایک دوسرے کی متابعت کی ہے اس لئے اس کی قوت میں مزید اضافہ ہو گیا

ہے ظبیان یا ظہیر کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور ابوالفتح ازدی نے مجروح کہا ہے مگر ابوالفتح ازدی بذات خود کذاب ہے اس

کی بات غیر معتبر اور حافظ ابن حبان کی بات اپنی جگہ پر برقرار ہے۔

(ملاحظہ ہولسان المیز ان میں ترجمہ ظبیان بن عمارہ الکوفی ج۳ص۲۱۵ الجرح والتعدیل ج۵ ترجمہ ظبیان وظہیر)

نماز میں رکوع سے پہلے والے پورے قیام میں بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کا باندھنا سنت ہے:

تمام ائمہ اہل سنت و جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے اور قیام کے لئے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی یا ذرا سا فصل کے بعد بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو باندھا جائے۔

امام مالک کی طرف یہ بات منسوب ہوگئی کہ دونوں ہاتھوں کو باندھنے کے بجائے چھوڑ کر لٹکائے رکھنا چاہئے مگر محققین نے اس انتساب کو رد کر دیا ہے اور خود امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں باب وضع الیدین احداھما علی الاخری فی الصلوۃ مع اوجز المسالک ج۲ص۱۱۵ تا ۱۱۹ میں اس مفہوم کی احادیث نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ جمہور ہی کا موقف صحیح اور قابل عمل ہے۔امام مالک نے اس موقف کی تائید میں دو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے دوسری حدیث ہم بھی نقل کر رہے ہیں۔

٦۔ ''مالك عن أبي حازم بن دينار عن سهل بن سعد الساعدی قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعة اليسرى فى الصلوة، قال أبو حازم: ولا أعلم إلا أنه ينمي ذالك''

یعنی ابو حازم بن دینار نے سیدنا سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ سیدنا سہل صحابی (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی بحالت نماز قیام میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ذراع پر رکھے۔ابو حازم نے کہا کہ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ سہل یہ حدیث نبی ﷺ سے مرفوعاً بیان کرتے تھے (موطأ امام مالک ج۲ص۱۱۷ تا ۱۱۹ و صحیح البخاری مع فتح الباری ج۲ص۲۲۴، ۲۲۵ موطا محمد بن الحسن مع تعلیق الممجد باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۵۶)

اس حدیث صحیح میں صراحت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ بحالت نماز رکوع سے پہلے والے قیام میں بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو رکھیں اور یہ معلوم ہے کہ صیغۂ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے ،الا یہ کہ کوئی معتبر شرعی دلیل اسے وجوب سے پھیر کر غیر وجوب کی طرف لائے اسی مفہوم کی کئی احادیث ہیں مثلاً آپ نے فرمایا:

۷:إنا معشر الأنبياء أمرنا بتعجيل فطرنا وتأخير سحورنا وأن نضع أيماننا على شمائلنا في الصلوة''

یعنی ہم انبیاء و مرسلین (علیہم الصلوۃ والسلام) کو (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں اور سحری کھانے مین تاخیر کریں اور نماز میں (رکوع سے پہلے والے قیام میں) اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر باندھیں۔

(رواه الطبراني في الكبير وابن حبان في الموارد ح ٨٨٥والطبراني في الأوسط ١٠١/١،١والضياء المقدسي في المختارة ٢/١٠٦٣ قال الشيخ الألباني في أحكام الجنائز: سنده صحيح وصححه السيوطي في تنوير الحوالك ١٧٤/١وقال الهيثمي في مجمع الزوائد :سنده صحيح رجاله رجال الصحيح)[(١)]

۸۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ نماز میں بحالت قیام داہنے ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے ان کے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔(سنن ابی داوٗد مع عون المعبود ج۲ص۳۲۲ح۷۵۵وسنن نسائی وابن ماجہ وسندہ صحیح حسن)

۹۔اس حدیث میں واقع فعل امر کو وجوب سے پھیر کر سنت مؤکدہ تک لانے والے متعدد نصوص ہیں ان میں سے ایک حدیث عبداللہ بن زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہما) سے مروی نقل کر رہے ہیں انھوں نے کہا کہ:

''صف القدمين ووضع اليد على اليد من السنة ''

یعنی بحالت نماز دونوں پاؤں کی صف لگانی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا مراد (بحالت قیام رکوع سے پہلے) بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھنا نماز کی سنتوں میں سے ہے۔(سنن ابی داوٗد مع عون المعبود ج۲ص۳۲۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں بصیغۂ اُمر بحالت قیام بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو رکھنے وباندھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ حکم مسنون ہے البتہ ان کو سنت موکدہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

۱۰۔اس کتاب میں جو پہلی نمبر والی حدیث سھل بن سعد سے نقل کی گئی ہے بالکل اسی طرح کی حدیث سیدنا وائل بن حجر سے حدیث سھل بن سعد کے بالمقابل زیادہ مروی ہے اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

'' ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد''

یعنی میں نماز نبوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے خدمت نبوی میں پہنچا تو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ کے ساعد ورسغ [(۲)] اور ہتھیلی کی پشت پر داہنا ہاتھ رکھا (سنن ابی داوٗد مع عون المعبود وتلخیص ابن القیم ج۲ص۲۹۴ح:۷۲۳صحیح ابن خزیمہ وصحیح ابن حبان ومعجم کبیر للطبرانی،اس حدیث کو ائمہ فرقۂ دیوبندیہ کی باہم معاونت سے لکھی گئی کتاب اعلاء السنن مطبوع ۱۹۹۷ء بیروت لبنان ج۲ص۱۷۹ح:۶۷۲ کے تحت نقل کر کے صحیح کہا گیا ہے اور

(۱)یہ حدیث ص۳ پر گزر چکی ہے۔

(۲)مفہوم کے لئے دیکھئے ص۱۰

علامہ البانی (۱) سے بھی اس کی تصحیح نقل کی گئی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کئی معتبر سندوں سے مروی ہے۔

ہماری اس کتاب میں نمبر ۶ و نمبر ۱۰ کے تحت لکھی گئی حدیث سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرتی ہے۔

عام شارحین حدیث نے کہا کہ ان دونوں احادیث میں یہ مذکور نہیں کہ آپ نے نماز میں بحالت قیام اپنے جسم اطہر کے کسی حصہ پر دونوں ہاتھ رکھتے یا باندھتے یا رکھنے یا باندھنے کا حکم اپنی امت کو دیا ہو مگر علامہ البانی نے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں بھی متعدد دوسری احادیث کی طرح تامل کرنے سے نماز میں بحالت قیام سینے پر ہاتھ رکھنے یا باندھنے پر دلالت کرتی ہیں علامہ البانی نے اپنی اس مجمل ومبہم بات کی تشریح نہیں کی ہے لیکن ہم یہاں اس کی مفصل تشریح کر رہے ہیں۔

ان احادیث میں پہلی والی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

'' **كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى** ''

یعنی صحابہ (کرام) رضی اللہ عنہم کو یہ فرمان نبوی دیا گیا تھا کہ نماز میں بحالت قیام بائیں ''ذراع'' پر داہنا ہاتھ رکھیں اور ''ذراع'' کا معنی بتلانے پر تمام کتب لغات متفق ہیں کہ کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کو ذراع کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائیں ہاتھ کی کہنی سے لے کر درمیانی انگلی تک نمازی بحالت قیام اپنا داہنا ہاتھ رکھے یا باندھے اور ہر شخص ایسا کر کے دیکھ سکتا ہے کہ جب بائیں کہنی پر داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی رکھی جائے گی اور پورا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے گا تو لازمی طور پر دونوں ہاتھ سینے پر یا سینے سے ذرا سا نیچے تک ہی باندھے یا رکھے جا سکتے ہیں اس کے نیچے ناف پر یا ناف کے نیچے دونوں ہاتھوں کا رکھنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ومحال ہوگا اس لئے پہلی والی یہ حدیث جو معنوی طور پر متواتر ہے نماز میں بحالت قیام سینے پر ہاتھ رکھنے اور باندھنے پر بہت واضح وصریح نص قاطع ہے متعدد ائمہ کرام نے تصریح کی ہے کہ صحیحین کی احادیث متواتر المعنی ہیں۔

اسی طرح پانچویں حدیث کا بھی یہی مفاد ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت اور رسغ (رسغ بمعنی گٹہ یعنی ہتھیلی اور کہنی کے درمیان والا جوڑ ہے) اور ساعد (ساعد کہتے ہیں کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے آخری سرے تک، ان معانی کو بتلانے پر اہل لغت متفق ہیں) پر رکھے گا تو ہاتھ سینے پر یا زیادہ سے زیادہ سینے سے ذرا نیچے رکھے یا باندھے جا سکیں (گے) اور ہم دونوں طرح سے نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں کیوں کہ دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں لہذا یہ دونوں کی دونوں احادیث جو متعدد طُرقِ صحیحہ سے مروی ہیں سینے پر یا سینے سے ذرا

....

(۱) الشیخ الالبانی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح (سنن ابی داؤد: ۷۲۷ مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، الریاض)

سا نیچے ہاتھ رکھنے اور باندھنے پر نص قاطع اور دلیل واضح ہیں۔

دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھنے والی حدیث نبوی ﷺ سنن نسائی وسنن دارقطنی میں صحیح سندوں سے مروی ہے اور دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھنے والی احادیث اوپر ہم درج کئے ہوئے ہیں لہذا دونوں حدیثوں کو مختلف اوقات پر محمول کیا جائے گا کہ کبھی دونوں ہاتھ باندھتے تھے اور کبھی رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے واضح طور پر جب مستفاد ہوتا ہے کہ نمازی بحالت قیام رکوع سے پہلے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ سینے پر یا سینے سے ذرا نیچے اس طرح رکھے کہ داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی کی نوک سے وہ بائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑے اور اس کا پورا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر انگلیوں سے لے کر ہتھیلی و گٹہ اور گٹہ و کہنی کے درمیان سے ہوتا ہوا کہنی تک پہنچے یا داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی سے وہ بائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑے رہے تو جتنی احادیث کریم میں رکھنے یا باندھنے کی تعین کے بغیر بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ کے رکھنے یا باندھنے کا ذکر ہے ان تمام احادیث صحیحہ معتبرہ حسنہ کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا جو اوپر مذکور ہے اور اس طرح کی احادیث معتبرہ درجۂ تواتر تک پہنچتی ہیں جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ متواتر المعنی حدیث سے رکوع سے پہلے والے قیام میں نمازی کو سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ اس معنی کے خلاف جو احادیث مروی ہیں کہ ناف کے نیچے دونوں ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے وہ بلا شک وشبہ بے حد ضعیف وساقط الاعتبار ہیں۔

تنبیہ بلیغ:

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت ساری احادیث نبویہ میں ''خاصرہ'' پر بحالت نماز ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ناف کے نیچے بحالت قیام دونوں ہاتھ رکھنے یا باندھنے سے لازم آتا ہے کہ ہاتھوں کا کوئی نہ کوئی حصہ خاصرہ یعنی پہلو پر ضرور رہے گا۔

٦۔ سیدنا ابو ہریرہ سے صحیحین (١) اور عام کتب حدیث میں مروی ہے کہ '' **نهى النبي ﷺ أن يصلى مختصراً** '' یعنی رسول اللہ ﷺ نے پہلو پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے (ارواء الغلیل ج٢ ص٩٣، ٩٤)

٧۔ بعض احادیث میں اسے (یعنی پہلو پر ہاتھ رکھنے کو) شیطانی وصف قرار دیا گیا ہے (عام کتب حدیث (٢)) اس کا حاصل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ناف کے نیچے بحالت قیام دونوں ہاتھ رکھنے یا باندھنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شریعت میں اتنی بھاری ممنوع حرکت سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

(١) البخاری (١٢٢٠) ومسلم (٥٤٥)

(٢) سنن الترمذی (٣٨٣) میں بغیر کسی سند کے مذکور ہے کہ ابلیس پہلو پر ہاتھ رکھ کر چلتا ہے۔ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **لم أقف على من أخرجه** '' مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس نے روایت کیا ہے؟ (تحفۃ الاحوذی ج١ ص٢٩٨)

قرآن مجید سے محبت حافظ شیر محمد

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری ہے، پس اس کی اتباع کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (الانعام: ۱۵۵)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''والقرآن حجة لك أو عليك'' اور قرآن (اگر تو اس پر عمل کرے تو) تیری دلیل ہے، یا (اگر تو اس کے مخالف چلے تو) تیرے خلاف دلیل ہے (صحیح مسلم: ۲۲۳ دارالسلام: ۵۳۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک جو لوگ کتاب اللہ پڑھتے، نماز قائم کرتے اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، خفیہ و علانیہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں کوئی خسارہ نہیں۔ تا کہ اللہ انہیں پورا بدلہ اور (بلکہ) اپنے فضل سے انہیں (بہت) زیادہ دے دے، بے شک وہ معاف کرنے والا اور قدر دان ہے (فاطر: ۲۹-۳۰)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر أمثالها ، لا أقول : الٓمّٓ حرف ولكن ألف حرف ولام حرف وميم حرف''

جو (مسلمان) کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے تو اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے، (اللہ کے ہاں) ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام (دوسرا) حرف ہے، میم (تیسرا) حرف ہے (سنن الترمذی: ۲۹۱۰ وقال: حسن صحیح غریب)

ایک روایت میں آیا ہے کہ: قرآن پڑھنے والے کو (قیامت کے دن) کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے پڑھتا تھا، اسی طرح ترتیل سے پڑھ، تیرا ٹھکانہ (جنت میں) وہ بلند مقام ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔ (سنن الترمذی: ۲۹۱۴ وقال: حسن صحیح)

میرے بھائیو!

قرآن سے محبت کرو، قرآن مجید پر عمل کرو، قرآن کی خوب تلاوت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرآن مجید کی تعظیم کرو، ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک تکئے (سرھانے) پر بیٹھے ہوئے تھے کہ (یہودیوں کی محرف) تورات لائی گئی تو آپ تکئے سے اتر آئے اور اس تکئے پر تورات رکھوائی۔

(سنن ابی داود: ۴۴۴۹ وسندہ حسن)

قرآن مجید تو ہمارے پیارے رب کا پیارا کلام ہے۔ اس کی ہر لحاظ سے عزت و تکریم کرنا ہم پر فرض ہے۔